جلد ۵ ستمبر ۱۹۶۴ء شمارہ ۹

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ۶ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ

(آلِ عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

ستمبر سنہ ۱۹۶۴ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- چھ روپے ؛ فی پرچہ :- ساٹھ پیسے

فہرستِ مضامین

پبلشر:- چوہدری محمد ابراہیم ٭ پرنٹر: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"

دارالصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۹

۱۵ر ستمبر ۱۹۶۴ء

پاکیزگی اعمال اور جماعتی اتحاد کو ترقی دینے کا گر

نظام کی اطاعت کا قرآنی حکم اور اس کی بنیادی اہمیت

اللہ تعالیٰ جب دُنیا میں اپنا کوئی مامور مبعوث فرماتا ہے تو وہ مامور پراگندہ و منتشر انسانیت میں اتحاد و ائتلاف کی ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد قائم کرتا ہے۔ جو لوگ حق کو پہچان کر اُس کی آواز پر لبیک کہتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں انہیں وہ اپنی خدا داد قوتِ قدسی اور باطنی جذب و کشش کی مدد سے پاک و صاف بنا کر ایک ناقابلِ تسخیر وحدت میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ آپس کی دشمنیاں اور عداوتیں بھلا کر باہم دگر ایک ہو جاتے ہیں۔

مامور من اللہ کا اِس طرح پراگندہ و منتشر انسانیت کو متحد کر دکھانا معجزہ سے کم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ اُس سے اس لئے ظہور میں آتا ہے کہ اُس کی ذات ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایک طرف وحیٔ الٰہی کا مرکز ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ایک نہایت ہی مربوط نظام کا مرکز ہوتا ہے۔ اُس کی اوّل الذکر حیثیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق پر دلالت کرتی ہے اور مؤخر الذکر حیثیت کا تعلق براہِ راست اُس کے اپنے متبعین کے ساتھ ہوتا ہے پہلی حیثیت کے اعتبار سے وہ خدا داد قوتِ قدسی کے ذریعہ اپنے متبعین کو پاکیزگیٔ اعمال کے وصف سے متصف کرتا ہے اور دوسری حیثیت کے اعتبار سے وہ انہیں اتحاد کی دولت سے مالا مال کر دکھاتا ہے۔ پھر وہ ان کی اس طور پر

تربیت و رہنمائی کرتا ہے کہ وہ پاکیزگیٔ اعمال اور جماعتی اتحاد میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کی باہمی قوّت اور اثر اندازی کی اہلیت میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں ترقی و مضبوطی کا انحصار ایک خاص خُلق پر ہوتا ہے۔ مامور من اللہ اپنے متبعین کو پاک و صاف بنانے اور انہیں متحد کرنے کے لئے یہ خُلق بھی ان میں پیدا کر دکھاتا ہے اور اسی کی بدولت وہ دنیا میں ترقی کرتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ اِس بنیادی خُلق کی اہمیت کو ہی واضح کرنا فی الوقت ہمارے مدنظر ہے کیونکہ وہ خُلق ایسا ہے کہ اُس پر عمل پیرا ہوئے بغیر نہ تو کسی مامور من اللہ کے متبعین کے اندر پاکیزگیٔ اعمال میں دوام کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی جماعتی اتحاد کسی حال میں برقرار رہ سکتا ہے۔

سو وہ بنیادی خُلق جس پر پاکیزگیٔ اعمال اور جماعتی اتحاد کا انحصار ہوتا ہے **اطاعت** ہے۔ اطاعت کو لازم پکڑے بغیر نہ پاکیزگیٔ اعمال میں دوام کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی جماعتی اتحاد دوامی طور پر قائم و برقرار رہ سکتا ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پر بہت زور دیا ہے اور اسے لازم پکڑنے کی مومنوں کو حکم کے رنگ میں تاکید فرمائی ہے۔ اب جہاں تک اطاعت کا تعلق ہے اس میں اللہ، رسول، اور نظام تینوں کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ	اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو اور
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ	رسول کی اور اولی الامر (یعنی نظام کو چلانے والے
مِنْكُمْ۔ (النساء آیت ۶۰)	ذمہ دار اصحاب) کی اطاعت کرو۔

اِس تعلق میں یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اصل اطاعت اللہ تعالےٰ ہی کی ہے۔ رسول کی اطاعت اِس لئے فرض ہے کہ وہ اللہ ہی کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ بدیں وجہ اُس کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت شمار ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ج	جو رسول کی اطاعت کرے (تو سمجھو کہ) اُس
(النساء آیت ۸۱)	نے اللہ ہی کی اِطاعت کی

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ رسول، جیسا کہ ہم سطور بالا میں واضح کر آئے ہیں، منصبِ رسالت پر فائز ہونے کی وجہ سے دو حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے اور ان ہر دو حیثیتوں میں مومنوں پر رسول کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ اوّل تو رسول وحیٔ الٰہی

کا مورد ہوتا ہے دوسرے تنفیذِ وحیٔ الٰہی کا بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے رسول کی ذات آسمانی ہدایت کا بھی مرکز ہوتی ہے اور تنفیذِ وحی کے اعتبار سے اپنے متبعین کے لئے نظام کا مرکز بھی اُسی کی ذات ہوتی ہے۔ وحیٔ الٰہی کا مورد ہونے کی وجہ سے اُس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کہلاتی ہے اور دوسری طرف تنفیذِ وحی کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت نظام کی اطاعت کے بھی مترادف ہوتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت میں بہرحال نظام کی اطاعت شامل ہے اور جہاں بھی خدا نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہ حکم نظام کی اطاعت پر بھی حاوی ہے سو جب ہم رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ نظام کی اطاعت بھی بجا لا رہے ہوتے ہیں یہی حال خود رسول کے قائم کردہ یا رسول کے بعد خدا کے منشاء کے مطابق قائم ہونے والے نظام کی اطاعت کا ہے یعنی جب ہم نظام کی اطاعت کرتے ہیں تو ہم دراصل رسول ہی کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو نظام کی اطاعت دراصل رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت فی الاصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح جو شخص رسول کے قائم کردہ یا رسول کے بعد قائم ہونے والے نظام کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ دراصل رسول کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے اور جو رسول کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ دراصل اللہ کی اطاعت سے باہر ہوتا ہے۔

اب چونکہ رسول کی اطاعت میں نظام کی اطاعت شامل ہے یا بالفاظِ دیگر نظام کی اطاعت دراصل رسول ہی کی اطاعت ہے اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی آیت ۶۰ میں جو اُوپر درج کی جا چکی ہے اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے پہلے اَطِیْعُوْا کا لفظ نہیں دُہرایا بلکہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کو اَلرَّسُوْلَ کے ساتھ شامل کر کے حکم یہ دیا کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ یعنی رسول اور نظام جماعت کو چلانے والے ذمہ دار اصحاب دونوں کی اطاعت کرو۔ یہ اسلوبِ بیان اِسی لئے اختیار کیا تاکہ ظاہر ہو کہ نظام کی اطاعت دراصل رسول ہی کی اطاعت ہے نہ کہ کسی غیر کی۔ البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اطاعتِ رسول میں نظام کی اطاعت از خود شامل ہے تو پھر وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کہہ کر نظام کی اطاعت کا علیحدہ حکم کیوں دیا؟ سو یہ علیحدہ حکم بھی ایک بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ رسول بہرحال انسان ہوتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ ہمیش زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کی رحلت کے بعد خلافت کے ذریعہ ایک نظام کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اُس وقت تنفیذِ وحیٔ الٰہی کا فریضہ اُس نظام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اِس طرح اُس نظام کی حیثیت رسول کی قائم مقامی میں خود رسول ہی کی طرح ایک مرکز کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اُس وقت اللہ، رسول اور نظام تینوں کی اطاعت علیحدہ علیحدہ فرض ہو جاتی ہے اور وہ بھی اِس صورت میں کہ نظام کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کا اور رسول کی اطاعت

کو اللہ کی اطاعت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ان دنوں صورت تینوں کی اطاعت کا علیحدہ علیحدہ ذکر بھی ضروری تھا۔ پس اللہ، رسول، اور نظام تینوں کی اطاعت فرض ہے اور اس سہ گونہ اطاعت پر ہی پاکیزگیٔ اعمال اور باہمی اتحاد کا دار و مدار ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت (جس میں نظام کی اطاعت لازمی طور پر شامل ہے) کے نتیجہ میں جہاں تک اعمال کی پاکیزگی حاصل ہونے کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے روحانی درجات کے حصول کو اس کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ	اور جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کی
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ	اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں۔
حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ (النساء آیت)	اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول اور نظام کی پوری پوری اطاعت کے نتیجہ میں صرف پاکیزگیٔ اعمال ہی میسر نہیں آتی بلکہ اعلیٰ ترین روحانی مدارج کا حصول بھی اس اطاعت پر ہی موقوف ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ اور رسول اور اُن کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کو لازم پکڑا اور اس پر مداومت اختیار کی وہ گویا اپنی مراد کو پہنچ گیا اور یوں سمجھ لو کہ اس نے بڑی سے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا وہ
فَوْزًا عَظِيْمًا ○	بے شک بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔

برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول اور اُنکے قائم کردہ نظام کی اطاعت سے باہر ہو کر نیک اعمال بجا لائے گا یعنی خدا اور رسول اور ان کے قائم کردہ نظام کی پرواہ کئے بغیر محض اپنی خواہشات کی پیروی کو لازم پکڑے گا اُس کے اعمال خواہ پہاڑوں کے برابر بھی کیوں نہ ہوں سب اکارت جائیں گے اور اُسے کوئی روحانی درجہ ملنا تو رہا درکنار وہ سراسر خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ اسی لئے اُس نے مومنوں کو تاکیدی حکم دیا کہ:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ	اے ایماندارو! اللہ اور اس کے رسول کی
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا	اطاعت کرو اور (اطاعت سے روگردانی کرکے)

حقیقت اور ابدی صداقت ہے کہ جس کے لئے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر ہم قرآنی ہدایات کی روشنی میں دیکھیں تو اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے نتیجہ میں اتحاد کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا دو اور دو چار کی طرح عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جب بھی کوئی جماعت اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کو لازم پکڑے گی تو پھر اس کے لئے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ وہ خدا رسول کے احکامات و فرمودات سے ذرہ بھر بھی سرتابی کرسکے۔ ان احکامات میں باہم متحد رہنے اور تفرقہ سے بچنے کا تاکیدی حکم بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج (آل عمران آیت ۱۰۴)

اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو اور اللہ کا احسان جو اُس نے تم پر کیا ہے اُس کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں تم اُسکے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

باہم متحد رہنے کا تاکیدی حکم دینے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خاص خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ اس اطاعت کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی جھگڑا نہ کرو بلکہ باہم متحد رہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ، رسول اور نظام تینوں کی اطاعت سے باہر ہو جاؤ گے اور تمہاری طاقت زائل ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال آیت ۴۷)

اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہا کرو اور آپس میں اختلاف نہ کیا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو دل چھوڑ بیٹھو گے اور تمہاری طاقت جاتی رہے گی۔

ان سب آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت وہ بنیادی تعلق ہے جس کے نتیجہ میں ایک خدائی جماعت کے افراد پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں روز بروز ترقی کر کے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر حق و صداقت کو دنیا میں پورے طور پر غالب کر کے اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نظام کی اطاعت پر بے انتہا زور دیا ہے، اطاعت کو لازم پکڑنے والوں کے لئے فوز و فلاح اور حصولِ جنت کی ضمانت دی ہے اور اطاعت سے روگردانی اختیار کرنے والوں کو حبطِ اعمال اور عذابِ جہنم کی وعید سے ڈرایا ہے۔

اَعْمَالَکُمْ (محمدؐ آیت ۳۴) اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

اعمال اکارت جانے کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت سے باہر ہونے والوں اور بغاوت کا طریق اختیار کرنے والوں کی عاقبت کبھی محمود نہیں ہو سکتی۔ اِسی لئے خبردار فرمایا کہ :-

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْہَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ۝
(النساء آیت ۱۵)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکل جائیگا اُسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ایک لمبے عرصہ تک رہتا چلا جائے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مقدر ہے۔

برخلاف اِس کے جو لوگ اللہ، رسول اور ان کے قائم کردہ نظام کی اطاعت کو لازم پکڑنے والے ہیں اور خفیف سے خفیف امر میں نافرمانی کے قریب بھی نہیں پھٹکتے انہیں اللہ تعالیٰ صاف اور واضح الفاظ میں جنّت کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے :-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا (النساء آیت ۱۴)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے انہیں وہ اُن باغوں میں جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی داخل کریگا اور وہ ان میں رہتے چلے جائیں گے۔

قرآن مجید کی یہ سب آیات جو ہم نے اُوپر درج کی ہیں اِس امر پر شاہدِ ناطق ہیں کہ پاکیزگیٔ اعمال یعنی تقویٰ و طہارت کا حصول اللہ اور اُس کے رسول اور نظام کی کما حقّہٗ اطاعت پر منحصر ہے۔ اطاعت ہی وہ بنیادی خُلق ہے جس کے نتیجہ میں انسان جنّت میں داخل ہونے کے قابل بنتا ہے اور اِس سے روگردانی اُسے دوزخ میں پہنچانے کا موجب بنتی ہے۔

قرآن مجید کی رُو سے یہ امر واضح ہو جانے کے بعد کہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے نتیجہ میں پاکیزگی اعمال میسر آتی ہے اب ہم اِس امر کو واضح کرتے ہیں کہ اطاعت کے نتیجہ میں قومی اتحاد کو کیوں کر فروغ حاصل ہوتا ہے اور کس طرح اتحاد مستحکم سے مستحکم تر ہو کر قوم کو ترقی کی شاہراہ پر آگے ہی آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اوّل تو جب اطاعت کو لازم پکڑنے سے پوری کی پوری جماعت ایک ہی ہاتھ پر اُٹھنے اور ایک ہی ہاتھ پر بیٹھنے کی عادی ہو جائے تو اس کے اتحاد کا مضبوط سے مضبوط تر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ یہ ایک ایسی واضح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایسی پُر حکمت اور بے مثال و لازوال تعلیم لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اپنی عظیم الشان قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے صحابہؓ کو پاکیزگیٔ اعمال سے ایسا متصف کیا اور پھر انہیں اتحاد کی دولت سے ایسا مالا مال فرمایا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی اَور مثال نہیں ملتی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ان اوصاف کو ترقی دینے اور ان میں دوام کی کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے قرآنی تعلیم کے عین مطابق اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت کے جذبہ کو ان میں ایسا اُجاگر کیا اور اُسے اس طور پہ پروان چڑھایا کہ اسکی بدولت ان میں اعمال کی پاکیزگی راسخ سے راسخ تر اور ان کا باہمی اتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ صحابہؓ کے جذبۂ اطاعت کا حال پڑھ کر یورپ کے مستشرق آج بھی حیران ہوتے اور اپنی حیرت کا برملا اظہار کئے بغیر نہیں رہتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے جذبۂ اطاعت اور اس جذبہ کے انتہائی بلند معیار اور پھر اس کے نہایت ہی شیریں اثمار پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں :-

"لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی) دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں۔ ان کی اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دوسرے دلوں کو تسخیر کرلیا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ وہ تلوار جو ان کو اُٹھانی پڑی وہ صرف اپنی حفاظت کے لئے تھی ورنہ اگر وہ تلوار نہ بھی اُٹھاتے تو یقیناً وہ زبان ہی سے دنیا کو فتح کر لیتے۔....

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ بڑے اہل الرائے تھے۔ خدا نے اُن کی بناوٹ ایسی ہی رکھی تھی۔ وہ اصولِ سیاست سے بھی خوب واقف تھے کیونکہ آخر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے اور ان میں سلطنت آئی تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کے ساتھ سلطنت کے بارِ گراں کو سنبھالا ہے اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ ان میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان کا یہ حال تھا کہ جہاں آپؐ نے کچھ فرمایا اپنی تمام آراء اور دانشوں کو اس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی کو واجب العمل قرار دیا۔ ان کا اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے اور آپؐ کے لبِ مبارک کو متبرک سمجھتے تھے۔ اگر ان میں یہ اطاعت، یہ تسلیم کا مادہ نہ ہوتا بلکہ ہر ایک اپنی رائے کو مقدم سمجھتا اور پھوٹ پڑ جاتی تو وہ اس قدر

مراتبِ عالیہ کو نہ پاتے"۔ (الحکم نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۱ء صا)

صحابہؓ کو محبت و فدائیت اور تسلیم و رضا کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کرنے کی توفیق اسی لئے ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پاکیزگیٔ اعمال کی صفت سے متصف کرنے اور ان میں کمال درجہ اتحاد پیدا کر دکھانے کے علاوہ ان میں اطاعت کی ایسی رُوح پھونکی تھی کہ وہ یہ تصور میں ہی نہیں لا سکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیں اور وہ لبیک نہ کہیں۔ وہ منتظر رہتے تھے کہ حضورؐ کے لب ہائے مبارک جنبش میں آئیں اور وہ فوراً حضورؐ کے ارشاد پر عمل کر دکھائیں۔ حضورؐ نے نظام کی اطاعت سے متعلق قرآنی تعلیم کو اُن کے ذہنوں میں ایسا راسخ کیا تھا کہ اُن کی طرف سے کسی قسم کی نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ حضورؐ اُن کے جذبۂ اطاعت کو اوجِ کمال پر پہنچا ہوا دیکھ کر بھی انہیں بار بار یہی تلقین فرماتے تھے کہ وہ اللہ، رسول اور نظام کی اطاعت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ جانتے تھے کہ میری وفات کے بعد تنفیذِ وحیٔ الٰہی کی ذمہ داری خلافت اور اس کے ذیلی نظام کی طرف منتقل ہونے والی ہے۔ اُس وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ نظام کی اطاعت بھی ان پر اسی طرح فرض ہو گی۔ حضورؐ کو فکر تھا کہ کہیں یہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ماسوا نظام کی اطاعت سے غافل نہ ہو جائیں حالانکہ نظام کی اطاعت کے بغیر اللہ اور رسول کی اطاعت کا حق پورے طور پر ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اِسی لئے حضورؐ اولوالامر کی اطاعت پر خاص زور دیتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا :۔

مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِی فَقَد اَطَاعَنِی
وَمَن عَصٰی اَمِیْرِی فَقَد عَصَانِی ۔
(بخاری باب الاحکام)

جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اُس نے خود میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اُس نے خود میری نافرمانی کی۔

اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر نظام کا احترام نہ کرنے اور نافرمانی کا طریق اختیار کرنے کے بُرے انجام سے اِن الفاظ میں خبردار فرمایا :۔

من خرج عن الطاعة وفارق
الجماعة فمات مات ميتة
الجاهلية ۔
(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

یعنی جو شخص امیر کی اطاعت سے خروج کرتا ہے اور جماعت کے اتحاد سے علیحدگی اختیار کر کے تفرقہ کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ اگر بغیر توبہ کے اسی حالت میں مر جائے تو اس کی موت غیر اسلامی موت ہو گی۔

مامور کی وفات کے بعد وہ برگزیدہ ہستیاں جنہیں اللہ تعالیٰ وعدۂ استخلاف کے ماتحت منصبِ خلافت پر فائز کرتا ہے خدائی تائید و نصرت شاملِ حال ہونے کے باعث انہیں عصمتِ صغریٰ حاصل

ہوتی ہے۔ وہ کوئی ایسا غلط قدم نہیں اُٹھاتے جو جماعت کی تباہی پر منتج ہو' البتہ دنیوی بادشاہ یا دیگر صاحبانِ اقتدار کے بارہ میں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنی کسی غلط روش کے باعث رعایا کو کسی ناقابلِ برداشت معصیت میں مبتلا کر دیں۔ اسلام ایسے دنیوی بادشاہوں اور دیگر فرمانرواؤں کی بھی اطاعت کا حکم دیتا ہے تاکہ تفرقہ کی بنیاد نہ پڑے اور اتحاد کو کسی بہت سے بھی خطرہ لاحق نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی دنیوی حکمرانوں کے ضمن میں فرمایا:-

ستروں بعدی اثرۃ وامورًا تنکرونھا۔ قالوا فما تأمرنا یارسول اللّٰہ۔ قال ادّوا الیھم حقّھم وسلوا اللّٰہ حقّکم۔
(بخاری کتاب الفتن)

یعنی اے مسلمانو! میرے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ تم پر ایسے ایسے لوگ امیر بنیں گے جو تمہارے حقوق غصب کریں گے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جو بہت ناپسندیدہ ہونگی اور تمہیں اوپری لگیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے امیروں کے حقوق انہیں ادا کرو اور اپنے حقوق خدا سے مانگو۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب دنیوی حکمرانوں کی اطاعت اس درجہ فرض ہے تو پھر دینی اور جماعتی امور میں خلافت کے آسمانی نظام کی اطاعت کا معیار کتنا بلند ہونا چاہیئے' اس سے سرتابی کا تصور بھی خطرناک معصیت کے مترادف ہے جبھی تو خدا تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا ہے۔ العیاذ باللہ۔

نظام کی اطاعت اور التزامِ جماعت سے متعلق قرآنی تعلیم کو بار بار تلقین کے ذریعہ صحابہؓ کے ذہنوں میں بٹھانے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اطاعت اور تسلیم و رضا کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ تاریخِ عالم میں جس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس آخری زمانہ میں جبکہ گمراہی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اُمتِ مسلمہ میں اتحاد کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور من اللہ اور مسیح موعود کی حیثیت سے دنیا میں مبعوث ہو کر پراگندہ و منتشر انسانیت میں اتحاد و ائتلاف کی ایک نئی بنیاد قائم فرمائی۔ آپ نے اپنی خداداد قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے متبعین کو پاکیزگیٔ اعمال کی صفت سے متصف کر کے انہیں ناقابلِ تسخیر اتحاد کی دولت سے مالامال کر دکھایا اور ان میں اطاعت کی ایسی رُوح پھونکی کہ جس کی مدد سے وہ پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ایک بنیان مرصوص کی صورت اختیار کر لی۔ دنیا یہ معجزہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور آج کے دن تک حیران ہے۔ آپؑ نے نظام کی اطاعت اور التزامِ جماعت کی

یہ رُوح کس طرح پھونکی اور اس میں آپ کو عظیم الشان کامیابی کیونکر نصیب ہوئی؟ اس کی تفصیل آپ کے پُرمعارف ملفوظات میں محفوظ ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حضورؑ کے اِن پُرمعارف ملفوظات کے بعض اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ حضورؑ نے مختلف مواقع پر یہ امر واضح کرتے ہوئے کہ نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے بغیر اتحاد قائم نہیں رہ سکتا فرمایا:۔

(۱) "یہ سچی بات ہے کہ کوئی قوم، قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملّت اور یگانگت کی رُوح نہیں پھونکی جاسکتی جب تک کہ وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے اور اگر اختلافِ رائے اور پھوٹ رہی تو پھر سمجھ لو کہ یہ ادبار اور تنزل کے نشانات ہیں مسلمانوں کے ضعف اور تنزل کے منجملہ دیگر اسباب کے باہم اختلاف اور اندرونی تنازعات بھی ہیں۔ اگر اختلافِ رائے کو چھوڑ دیں اور ایک کی اطاعت کریں جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے پھر جس کام کو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اس میں یہی تو سِر ہے کہ اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب تک اطاعت نہ کی جائے۔" (الحکم نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۱ء)

(۲) "کوئی قوم اور کوئی جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اُس میں اپنے **امام کی اطاعت اور اتباع** کے واسطے خاص قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔"
(الحکم ۳۱ر جولائی سنہ ۱۹۰۶ء)

(۳) "مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہ دیکھیں گے پس نیک نیّتی کے ساتھ اور **پوری اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ میں** خدا اور اُس کے رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ کہ بہتری اسی میں ہے۔"
(الحکم ۱۲ر مئی سنہ ۱۸۹۹ء)

خدا، رسول اور نظام کی اطاعت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اطاعت کس معیار کی ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں آپؑ نے واضح فرمایا کہ سچی اطاعت یہ ہے کہ انسان ہوائے نفس کو ذبح کر کے ہر حکم بجا لائے اور ایسے انشراح، خوشی اور بشاشت کے ساتھ بجا لائے کہ جس سے دل میں ایک نور اور رُوح میں ایک لذت کی کیفیت پیدا ہو کر اس قابل بنا دے کہ انسان پاکیزگی اعمال میں ترقی کرتا چلا جائے اور ساتھ ہی جماعتی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا موجب بنے۔ اس ضمن میں آپؑ نے اپنے اصحاب کو اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کا رنگ اپنے

اندر پیدا کرنے کی نصیحت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے۔ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے۔ مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو۔ اور یہی ایک مشکل امر ہے۔ اطاعت میں اپنے ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے، بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی۔ اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بُت بن سکتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھے اُن میں ایک کشش اور قوت تھی جو بے اختیار دلوں کو کھینچ لیتی تھی۔ اور پھر آپؐ کی جماعت نے اطاعت الرسول کا وہ نمونہ دکھایا اور ان کی استقامت ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی کہ جو کوئی ان کو دیکھتا وہ بے اختیار ہو کر ان کی طرف چلا آتا تھا۔

غرض صحابہؓ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت اب بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے تیار ہو رہی ہے اُس جماعت کے ساتھ شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔ اور چونکہ جماعت کی ترقی ایسے ہی لوگوں کے نمونہ سے ہوتی ہے اس لئے تم جو مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہؓ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو، باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی ہو۔ غرض ہر رنگ میں، ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہؓ کی تھی۔" (الحکم نمبرہ سنہ ۱۹۰۱ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اثر وجذب میں ڈوبی ہوئی اِن نصائح ہی کا یہ اثر تھا کہ آپؑ کے صحابہ نے خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کو ایسا لازم پکڑا اور اس کے زیر اثر پاکیزگی اعمال اور اتحاد میں ایسی ترقی کی اور فدائیت کا ایک ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی یاد ازسرِ نو تازہ ہو گئی۔ اپنے اطاعت گزار و وفاشعار اصحاب کے اس نمونہ سے خوش ہو کر آپؑ نے فرمایا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے وہ صدق و وفا کا نمونہ دکھلایا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ۔ ..... یہی صدق اور وفا تھی جس نے ان کو آخرکار بامراد کیا۔ اسی طرح مَیں اب دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کو بھی اُس کی

قدر اور مرتبہ کے موافق اطاعت کا ایک خاص جوش بخشا ہے اور وہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھاتے ہیں۔" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب تنفیذِ وحیٔ الٰہی کی ذمہ داری آپؑ کے خلفاء اور اُن کی وساطت سے اُن کے قائم کردہ نظام اور اس نظام کو چلانے والے ذمہ دار کارکنان کی طرف منتقل ہوئی تو آپؑ کی قائم کردہ جماعت کے اطاعت گزار و وفاشعار افراد نے اپنی اطاعت کے اس معیار میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آنے دیا اور صدق و وفا کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ اپنے اور پرائے سب عش عش کر اُٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کا خصوصی امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ ایک مامور من اللہ کی قائم کردہ جماعت ہے۔ اُس مامور من اللہ نے اِس کے افراد کو پاکیزگیٔ اعمال کے وصف سے متصف کر کے ان کے درمیان اتحاد و ائتلاف کی ایک نئی بنیاد قائم کی ہے اور پھر اس پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد و ائتلاف کو ترقی دینے اور اس میں دوام پیدا کرنے کی غرض سے اُن میں خدا، رسول اور نظام کی اطاعت کی ایسی روح پھونکی ہے جس کی فی زمانہ کوئی اور مثال موجود نہیں ہے۔

ہمیں احمدی ہونے کی حیثیت میں اِس آسمانی جماعت میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ خدا، رسول، امام الزمان، خلیفۂ وقت، اُس کے قائم کردہ نظام اور اُس نظام کو چلانے والے ذمہ دار کارکنان کی اطاعت ہمارا امتیازی نشان ہے۔ اطاعت کا یہ بے مثل جذبہ ہی ہماری ترقی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ جس قدر عزم اور تعہد کے ساتھ ہم نظام کا احترام کرتے ہوئے اطاعت کو لازم پکڑیں گے اور صدق و وفا کا اعلیٰ نمونہ قائم کریں گے اُسی قدر ہمارے اندر پاکیزگیٔ اعمال کی صفت ترقی کرے گی اور اسی نسبت سے ہمارا اتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ آج سب سے زیادہ ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اپنے جذبۂ اطاعت پر کوئی حرف نہ آنے دیں تا مخالفین کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے جذبہ کو قوی سے قوی تر بنانا ہمارا اوّلین فرض اور سب سے اہم ذمہ داری ہے۔ یہ جبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ہوائے نفس کو ذبح کر کے خود پسندی اور خود رائی اور تکبّر و نخوت اور عُجب و پندار کے بُتوں کو جو غیر محسوس طور پر دلوں میں جگہ بنا لیتے ہیں پاش پاش کر ڈالیں اور اُنہیں کبھی اور کسی حال میں بھی اپنے دلوں میں راہ نہ پانے دیں۔ اگر خدا نخواستہ ہم نے اِس طرف سے غفلت برتی تو قرآنی تعلیم کے بموجب ہمارے نیک اعمال، ہماری لمبی لمبی نمازیں، رقت آمیز دعائیں اور وظیفے، تعلق باللہ اور محبتِ رسول کے بلند بانگ دعوے سب اکارت جائیں گے اور کوئی عجب نہیں کہ ہماری یہ غفلت نافرمانی میں تبدیل ہو کر ہمیں خسرالدنیا والآخرۃ کا مصداق بنا دے اور ہم ہاتھ ملتے ہی

رہ جائیں۔

ہمیں یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ ہماری ترقی اور کامیابی میں نظام کے احترام اور اُسکی کماحقہ اطاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اوّل دن سے ہی جماعت کو نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کی تلقین فرماتے چلے آرہے ہیں حضور ایدہ اللہ کی بیش قیمت نصائح بھی آب زر سے لکھنے اور ہر آن ذہنوں میں مستحضر رکھنے کے قابل ہیں۔ ان کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر ہم حضور کی اِن نصائح میں سے بعض نصائح مرتب کر کے اس شمارہ میں ہی الگ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ احباب کو چاہیئے کہ اِن نصائح کا بغور اور بار بار مطالعہ کریں اور اِس امر کا جائزہ لیتے رہیں کہ کہیں ہمارا عمل اِن نصائح کے خلاف تو نہیں ہے۔ امید ہے کہ احباب اِن نصائح کا بہت توجہ، انہماک اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کریں گے اور پھر ان سے صحیح رنگ میں استفادہ کرتے ہوئے نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کر دکھائیں گے کہ جس سے جماعت احمدیہ کا خصوصی امتیاز اور بھی زیادہ اُجاگر ہو کر دُنیا کے سامنے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے جماعتی نظام کے احترام اور اس کی اطاعت کے خصوصی امتیاز کو نہ صرف برقرار رکھنے بلکہ اسے نمایاں سے نمایاں تر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے نتیجہ میں پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتے چلے جائیں۔ اور پھر ہمارا یہ اتحاد کُل دنیا پر نیک اثر ڈالے اور دنیا ہمارے نمونہ سے متاثر ہو کر اس طرح اسلام کی آغوش میں کھنچی چلی آئے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ اے ارحم الراحمین خدا! اے ذوالجود والعطاء تو اپنے فضل سے ایسا ہی کر۔ آمین ثمّ آمین ؛

صحابہؓ کے نمونے کو اپنے سامنے رکھو!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"صحابہؓ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انہوں نے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دنیا پر مقدّم کیا تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالےٰ نے ان سے کئے تھے پورے ہو گئے۔" (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

کلمات طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں نہیں بیچتا میں سچ سچ کہتا ہوں وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں

مجھے اُن لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے

میرے ساتھ وہی ہیں جو رسول کریم ؐ کے پاک نمونے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں دیتے ہیں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد کی دولت سے مالامال کرنے کی غرض سے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے اپنی خداداد قوتِ قدسی کی مدد سے اپنے متبعین کو پاک صاف اور مطہر بنا کر نیز انہیں بنیان مرصوص کی شکل میں باہم متحد کر کے یہ غرض بتمام و کمال پوری کر دکھائی۔ پھر آپؑ نے پاکیزگیٔ اعمال اور اتحاد کو ترقی دینے اور اس میں دوام کی کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے ان کے اندر اطاعت کی ایسی روح پھونکی جو بلاشبہ معجزہ کی قوت اپنے اندر رکھتی ہے۔ آپؑ نے انہیں اللہ، رسول اور نظام کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار بنانے کے لئے انہیں ایسی بیش قیمت نصائح فرمائیں جن کا لفظ لفظ اثر و جذب میں ڈوبا ہوا ہے۔ حضورؑ کی یہ نصائح ہی تھیں جو اُن کی کایا پلٹنے کا موجب بنیں۔ ایسی ہی انقلاب انگیز نصائح میں سے بعض نصائح ذیل میں شائع کی جا رہی ہیں تا کہ احباب پر بیعت کی اصل حقیقت اور اطاعت کی بنیادی اہمیت واضح ہو۔ (ادارہ)

بیعت کی حقیقت کو نہ سمجھنے والوں کے لئے خوف کا مقام

"براہین احمدیہ کے حصصِ سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شفاعت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں اُن کو غرق کروں گا۔ خدا نے نوح کے زمانہ میں ظالموں کو قریباً

ایک ہزار سال تک مہلت دی تھی اور اب بھی خیر القرون کی تین صدیوں کو علیحدہ رکھ کر ہزار برس ہی ہو جاتا ہے۔ اس حساب سے اب یہ زمانہ اُس وقت پر آ پہنچتا ہے جبکہ نوح کی قوم عذاب سے ہلاک کی گئی تھی اور خدا تعالےٰ نے مجھے فرمایا اِصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی میری آنکھوں کے روبرو اور میرے حکم سے کشتی بنا، وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ نہ تجھ سے بلکہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، یہ خدا کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ یہی بیعت کی کشتی ہے جو انسانوں کی جان اور ایمان بچانے کے لئے ہے۔ لیکن بیعت سے مراد وہ بیعت نہیں جو صرف زبان سے ہوتی ہے اور دل اس سے غافل بلکہ روگرداں ہے۔ بیعت کے معنے بیچ دینے کے ہیں۔ پس جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں نہیں بیچتا میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک بیعت میں داخل نہیں۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مُردار کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں۔ مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائیں گے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۶-۸۷)

بیعت کے بعد امام سے اعراض سخت بدذاتی ہے

"بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے اور بیع اُس باہمی رضامندی کے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے۔ سو بیعت سے یہ غرض ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو معہ اس کے تمام لوازم کے ایک راہبر کے ہاتھ میں اِس غرض سے بیچے کہ تا اُس کے عوض میں وہ معارفِ حقہ اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باری تعالےٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہے کہ اپنے نفس کو اپنے راہبر کی غلامی میں دیکر وہ علوم اور معارف اور برکات اس کے عوض میں لے جن سے ایمان قوی ہو اور

معرفت بڑھے اور خدا تعالیٰ سے صاف تعلق پیدا ہو اور اس طرح دنیوی جہنّم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے مخلصی نصیب ہو اور دنیوی نابینائی سے شفا پا کر آخرت کی نابینائی سے بھی امن حاصل ہو۔ سو اگر اس بیعت کے ثمرہ دینے کا کوئی مرد ہو تو سخت بدذاتی ہو گی کہ کوئی شخص دانستہ اس سے اعراض کرے۔"

(ضرورۃ الامام صفحہ ۲۷)

جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں!

"مَیں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں، جو اُس کو نہیں پہچانتے جس کو مَیں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمتیں اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور ربے راہیوں کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے۔ درحقیقت وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔ یاد رہے کہ جو میری راہ پر چلنا نہیں چاہتا وہ مجھ میں سے نہیں اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور جو میرے مذہب کو قبول کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنا مذہب پسندیدہ سمجھتا ہے وہ مجھ سے ایسا دُور ہے جیسا کہ مغرب مشرق سے۔ وہ خطا پر ہے کہ سمجھتا ہے کہ مَیں اس کے ساتھ ہوں۔ مَیں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور اُن کو روحانیت کے طور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں۔ ظاہری رؤیت تو حیوانات میں بھی موجود ہے۔ مگر انسان اُس وقت سوجاکھا کہلا سکتا ہے جبکہ باطنی رؤیت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے اور پھر نیکی کی طرف جُھک جائے۔

سو تم اپنی آنکھوں کے لئے نہ صرف چار پایوں کی بینائی بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بُت باہر پھینکو کہ دنیا دین کے مخالف ہے۔ جلد مرو گے اور دیکھو گے کہ نجات انہی کو ہے کہ جو دنیا کے جذبات سے بیزار اور بَری اور صاف دل تھے۔ مَیں کہتے کہتے ان باتوں کو تھک گیا کہ اگر تمہاری یہی حالتیں ہیں تو پھر تم میں اور غیروں میں فرق ہی کیا ہے لیکن یہ دل کچھ ایسے ہیں کہ توجہ نہیں کرتے اور ان آنکھوں سے مجھے بینائی کی توقع نہیں لیکن اگر خدا چاہے۔ اور مَیں تو ایسے لوگوں سے اِس دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔ اگر مَیں صرف اکیلا کسی جنگل میں ہوتا تو میرے لئے ایسے لوگوں کی رفاقت سے بہتر تھا جو خدا تعالیٰ کے احکام کو عظمت سے نہیں دیکھتے اور اس کے جلال اور عزّت سے نہیں کانپتے۔ اگر انسان بغیر حقیقی راستبازی کے صرف مُنہ سے کہے کہ مَیں مسلمان ہوں یا اگر بھوکا صرف زبان پر روٹی کا نام لائے تو کیا فائدہ۔ ان طریقوں سے نہ وہ

نجات پائے گا اور نہ وہ سیر ہو گا۔ کیا خدا تعالیٰ دلوں کو نہیں دیکھتا، کیا اس علیم و حکیم کی گہری نگاہ انسان کی طبیعت کے پاتال تک نہیں پہنچتی؟

پس اے نادانو خوب سمجھو، اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں۔ اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ اور مجھے اُن لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اُٹھا لیتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے، اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں، اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں، اور شرم سے بات کرتے ہیں، اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے ہیں، اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں، اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے، اور اپنے ربّ کریم کو یاد رکھتے ہیں، اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اِس جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہو گا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اِس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو اِن دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دُور کر دیں۔ میری جان اِس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچّا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر یک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑھ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے۔ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتا ہے ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جُھکے، اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دست بردار ہو۔ سو

افسوس ہزار افسوس کہ اِن باتوں کا کچھ بھی اثر مَیں اُن میں نہیں دیکھتا مگر دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اِس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے، اور تمام شرارتیں اور کینے اُن کے دلوں سے اُٹھا دے، اور باہمی سچی محبت عطا کر دے۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں مَیں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے، اور اس کی جگہ کوئی اَور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔" (اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء مشمولہ شہادۃ القرآن)

خود روی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لو

"جو شخص میری اس وصیت کو نہیں مانتا کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور درحقیقت ایک پاک انقلاب اس کی ہستی پر آجائے اور درحقیقت وہ پاک دل اور پاک ارادہ ہو جائے اور پلیدی اور حرامکاری کا تمام چولہ اپنے بدن پر سے پھینک دے اور نوعِ انسان کا ہمدرد اور خدا کا سچا تابعدار ہو جائے اور اپنی تمام خود روی کو الوداع کہہ کر میرے پیچھے ہو لے، مَیں اِس شخص کو اُس کُتے سے مشابہت دیتا ہوں جو ایسی جگہ سے الگ نہیں ہوتا جہاں مُردار پھینکا جاتا ہے اور جہاں سڑے گلے مُردوں کی لاشیں ہوتی ہیں۔ کیا مَیں اِس بات کا محتاج ہوں کہ وہ لوگ زبان سے میرے ساتھ ہوں اور اِس طرح پر دیکھنے کیلئے ایک جماعت ہو۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ دیں اور ایک بھی میرے ساتھ نہ رہے تو میرا خدا میرے لئے ایک اَور قوم پیدا کرے گا جو صدق اور وفا میں ان سے بہتر ہوگی۔ یہ آسمانی کشش کام کر رہی ہے جو نیک دل لوگ میری طرف دوڑتے ہیں۔ کوئی نہیں جو آسمانی کشش کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صہ ۶)

عربی منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَدَتْ نَفْسِی نَبِیًّا ذَا الْمَقَامِ

(میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحبِ مقامِ محمود ہے)

وَرَدْنَا الْمَاءَ صَفْوًا غَیْرَ کَدِرٍ
ہم ایسے پانی پر وارد ہوئے جو مصفّٰی اور غیر مکدّر ہے

وَیَشْرَبُ غَیْرُنَا وَشْلَ الْاَجَامِ
اور ہمارے مخالف تھوڑا سا جنگلوں کا پانی پی رہے ہیں

اَتَانِی الصَّالِحُوْنَ فَبَایَعُوْنِیْ
نیک لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے میری بیعت کی

وَخَافُوْا رَبَّهُمْ یَوْمَ الْقِیَامِ
اور خدا تعالیٰ اور جزا سزا کے دن سے ڈرے

وَاَمَّا الطَّالِحُوْنَ فَاَکْفَرُوْنِیْ
جو تباہ کار تھے انہوں نے مجھے کافر ٹھہرایا۔

وَلَعَنُوْنِیْ وَمَا فَهِمُوْا کَلَامِیْ
اور مجھ پر لعنتیں کیں اور میرے کلام کو نہ سمجھا۔

وَاَفْتَوْا بِالْهَوٰی مِنْ غَیْرِ عِلْمٍ
اور ہوا و ہوس کی پیروی میں بغیر بصیرت کے فتویٰ دیا

وَقَالُوْا کَافِرٌ لِلْکُفْرِ کَامِیْ
اور کہا کہ کافر ہے اور کفر کے لئے گواہی کو چھپانے والا ہے۔

وَصَالُوْا کَالْاَفَاعِیْ اَوْ ذِئَابٍ
اور انہوں نے سانپوں اور بھیڑیوں کی طرح حملہ کیا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لِلصِّدِّیْقِ حَامِیْ
اور یقیناً اللہ تعالیٰ راستباز کی حمایت کرنے والا ہے۔

لَقَدْ کَذَبُوْا وَخَلَّاقِیْ یَرَاهُمْ
انہوں نے جھوٹ بولا اور میرا خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔

وَلِلشَّیْطَانِ صَارُوْا کَالْغُلَامِ
اور وہ لوگ شیطان کے لئے غلام کی مانند ہو گئے۔

فَلَا وَاللّٰهِ لَسْتُ کَکَافِرِیْنَا
پس یہ بات نہیں اور بخدا میں کافر نہیں۔

فَدَتْ نَفْسِیْ نَبِیًّا ذَا الْمَقَامِ
میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحبِ مقامِ محمود ہے

وَاَصْبَانِی النَّبِیُّ بِحُسْنِ وَجْهٍ
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسین چہرہ سے میرا دل موہ لیا ہے

اَرٰی قَلْبِیْ لَهٗ کَالْمُسْتَهَامِ
میں اپنے دل کو آپ کی محبت میں سراسیمہ پاتا ہوں۔

(نور الحق)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عارف آں کو گویدش لاثانی است

(عارف وہ ہے جو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ لاثانی ہے۔)

گر بگوئی غیر را رحماں خدا　　تف زند بر روئے تو ارض و سما
اگر تُو کسی اور کو خدائے رحمان کہدے　　تو تیرے مُنہ پر زمین و آسمان تھوکیں۔

ور تراشی بہرِ آں یکتا پسر　　بر تو بارد لعنتِ زیر و زبر
اگر اس یکتا کے لئے تُو کوئی بیٹا تجویز کرے　　تو نیچے اور اُوپر سے تجھ پر لعنتیں برسنے لگیں

با زبانِ حال گوید ایں جہاں　　کاں خدا فرد است و قیّوم و یگاں
یہ جہان زبانِ حال سے کہہ رہا ہے　　کہ وہ خدا یکتا، قیوم اور واحد ہے

نے پدر دارد نہ فرزند و نہ زن　　نے مبدّل شد ز ایّامِ کہن
نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی　　اور نہ ازل سے اس میں کوئی تغیّر آیا

یک دمے گر رشحِ فیضش کم شود　　ایں ہمہ خلق و جہاں برہم شود
اگر ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے فیض کی بارش کم ہو جائے　　تو یہ سب مخلوقات اور جہان درہم برہم ہو جائیں

یک نظر قانونِ قدرت را ببیں　　تا شناسی شانِ ربّ العالمیں
قانونِ قدرت پہ ایک نظر ڈال!　　تاکہ تُو ربّ العالمین کی شان کو پہچانے۔

کاخِ دُنیا را چہ دیدی استی بنا　　کز پئے آں مے گزاری صدق را
کیا تُو نے دنیا کے محل کی بنیاد مضبوط دیکھی ہے؟　　جو اُس کی خاطر تُو سچائی کو چھوڑتا ہے۔

عابد آں باشد کہ پیشش فانی است　　عارف آں کو گویدش لاثانی است
عابد وہ ہے جو خدا کے سامنے فانی ہے۔　　عارف وہ ہے جو کہتا ہے کہ خُدا لاثانی ہے۔

(ضیاء الحق)

اپنے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کی رُوح پیدا کرو

جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا اُس کا ایمان خطرہ میں ہے

اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے تو عین ممکن ہے کہ بے دینوں اور کافروں کی موت مرے

اطاعت کی اہمیت کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہم تصریحات

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے احبابِ جماعت میں پاکیزگیٔ اعمال کے وصف کو ترقی دینے اور بحیثیتِ جماعت ان کے باہمی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی غرض سے نظام کے احترام اور اطاعت کی اہمیّت کو اس قدر شدّ و مد کے ساتھ واضح فرمایا ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ آپ نے ایک طرف امام اور امام کے قائم کردہ نظام کے احترام اور اس کی عظیم الشان برکات پر اور دوسری طرف اطاعت سے گریز کی وجوہات اور اس کے خطرناک نتائج پر بار بار اور بہ تکرار ایسے پُر اثر انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اِس قدر جامعیت کے ساتھ اِن سب امور کو ذہن نشین کرایا ہے کہ اتنی وضاحت کے بعد یہ ممکن ہی نہیں رہتا کہ ایک ایسا شخص جو ایمان کی قدر و قیمت پہچانتا ہو وہ نظام کے احترام سے کبھی غفلت برتنے کا مرتکب ہو سکے۔

ذیل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے پُر معارف خطبات اور تفسیرِ کبیر کے بعض ایسے اقتباسات یکجائی صورت میں ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں جن میں حضور نے اطاعت کی بنیادی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ حضور کے ان ارشادات کو ہمیشہ زیرِ مطالعہ رکھیں تا اطاعت کی رُوح ان میں ہمیشہ ترقی کرتی چلی جائے اور وہ ہمیشہ ہی اس کی عظیم الشان برکات سے متمتع ہوتے ہوئے جماعتی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے

کا موجب بنتے چلے جائیں ۔　　(ادارہ)

دین کا خلاصہ ہے، اطاعت! اطاعت! اطاعت!

"دنیا میں ہر کام کے لئے کچھ رستے ہوتے ہیں اور ان رستوں کے بغیر کسی جماعت کا ترقی کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہے ۔ قومی ترقی کے رستوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو قومی کارکن اور جماعتی خادم ہوں ان کے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پایا جائے ۔ جب تک اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پوری طرح نہ پایا جائے جماعتی کام کبھی ترقی نہیں کر سکتے ۔ جماعتوں کے سرے ہمیشہ مضبوط ہاتھوں میں نہیں ہو سکتے ۔ کبھی یہ ایسے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو مضبوط ہوتے ہیں اور کبھی ایسے ہاتھوں میں جو کمزور اور نرم ہوتے ہیں ۔ جس وقت یہ رشتہ مضبوط دل والے آدمی کے ہاتھ میں ہو اطاعت سے گریز کرنے والے یا تو اپنا رویہ بدل لیتے ہیں یا علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں ۔ مگر جب یہ رشتہ کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں ہو جو کمزور دل ہو تو اُس وقت ایسے سرکش جماعتوں کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں خواہ اُن کی نیتیں کیسی ہی نیک اور اعلیٰ کیوں نہ ہوں ۔ پس جماعتی ترقی کے لحاظ سے اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ کارکنوں میں ہونا نہایت ضروری ہے ۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ ۔ یعنی جو شخص میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا میری اطاعت کرتا ہے اور جو میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے ۔ مگر انسانی کمزوریوں میں جہاں اور نقائص ہوتے ہیں مثلاً جھوٹ، عیب چینی، کسل وغیرہ یا طنز و طعن کی بات کرنا، وہاں بعض لوگوں میں یہ نقص بھی ہوتا ہے کہ وہ اطاعت سے گریز کرتے ہیں اور جب بھی انہیں کوئی حکم ایسا دیا جاتا ہے جو اُن کی پسند کے خلاف ہوتا ہے تو وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اِس قسم کے لوگوں سے قوم کو قطعی طور پر پاک کرنا تو ناممکن ہوتا ہے مگر اس کی برداشت کر لینا بھی ناممکن ہے ۔ بے شک ایک انسان کی عادت ہی ایسی ہو سکتی ہے اور وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ افسر کے احکام کو نہ مانے اور جب وہ کوئی حکم دے تو اس پر حملہ کرنے اور کاٹنے کی کوشش کرتا ہے ۔ مگر جہاں وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے وہاں سلسلہ بھی مجبور ہے کہ اگر ایسا انسان اپنی اصلاح نہ کرے تو اُسے جماعتی کاموں سے علیحدہ کر دیا جائے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی طبیعت ہی ایسی ہے اور وہ مجبور ہے مگر جماعت بھی مجبور ہے کہ اگر وہ اپنی طبیعت کی اصلاح نہ کرے تو اُسے جماعتی کاموں سے علیحدہ کر دے ۔

عدم اطاعت کی کئی وجوہ ہوتی ہیں۔ ایسا شخص کبھی تو ایسے خاندان سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے کہ جس کی لوگ عزت کرتے ہیں اور اس وجہ سے اُس کا دماغ خراب ہوچکا ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کسی کو مجھے حکم دینے کا حق نہیں کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی بیماری کے نتیجہ میں اُس کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہوچکا ہوتا ہے۔ کبھی اس کے اندر غرور اور کبر کا مادہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اتنا بڑا عالم اور عقلمند انسان ہوں کہ کسی کو مجھے کوئی حکم دینے کا حق ہی نہیں۔ پھر بعض لوگ ایسی دماغی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جو کام بھی اُن کے سپرد کیا جائے وہ کہتے ہیں کہ جب تک اِس کام کی باگ ڈور کلیۃً میرے ہاتھ میں نہ دی جائے اور تمام اختیارات مجھے حاصل نہ ہوں کام ٹھیک طرح چل ہی نہیں سکتا۔ ہندوستان کے لوگوں میں بالخصوص یہ خرابی پائی جاتی ہے کہ جو کام بھی اُنکے سپرد ہو وہ چاہتے ہیں کہ تمام کے تمام اختیارات اُن کے ہاتھ میں ہوں۔ سندھ کی زمینوں کے بارہ میں مَیں نے اس کا خوب تجربہ کیا ہے۔ وہاں جس شخص کو مقامی ایجنٹ بنایا جائے وہ یہی کہتا ہے کہ اختیارات میرے ہاتھ میں نہیں۔ پھر کام کس طرح ٹھیک طور پر چل سکتا ہے۔ اور اُس کی مراد اِس سے یہ ہوتی ہے کہ مرکز نے جو اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں وہ بھی جب تک ایجنٹ کے ہاتھ میں نہ دے دیئے جائیں کام ٹھیک طرح چل نہیں سکتا۔ اور مینجر یہ کہتے ہیں کہ جب تک اختیارات ایجنٹ کے ہاتھ میں ہیں کام ٹھیک نہیں ہوسکتا اختیارات ہمارے ہاتھ میں ہونے چاہئیں۔ مینجروں کے بعد منشی ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اختیارات تو مینجروں کے ہاتھ میں ہیں کام کیسے چلے۔ تمام خرابی اِسی لئے ہے کہ اختیارات مینجروں کے سپرد ہیں۔ اور ہاری کہتے ہیں کہ ہمیں آزادی کے ساتھ کام کرنے دیں پھر دیکھیں کیسا اچھا کام ہوتا ہے۔ اور دراصل بات یہ ہے کہ سب کے دماغ پریشان ہیں، نہ ایجنٹ کا دماغ ٹھیک ہے، نہ مینجر کا، نہ منشی کا ٹھیک ہے اور نہ ہاری کا۔ ہندوستان میں یہ عام مرض ہے کہ جو بھی کسی کام پر مقرر کیا جائے وہ کہتا ہے کہ سارے اختیارات مجھے مل جائیں تب کام ٹھیک طور پر چل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ حالانکہ نظام کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اختیارات تقسیم ہو جائیں مگر ہر شخص چاہتا یہ ہے کہ تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں۔ پھر اِس کے اُلٹ ایک اَور بات بھی ہے۔ جس طرح ہر ماتحت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تمام اختیارات مجھے مل جائیں اُسی طرح ہر افسر یہ کوشش کرتا ہے کہ تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے جس طرح ہر ماتحت اپنے اُوپر والے کے اختیارات چھیننا چاہتا ہے اُسی طرح ہر اُوپر والے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سب اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ ایک عرصہ تک اصلاح کی صورت رہنے کے بعد پھر یہ مرض سلسلہ کے بعض کارکنوں میں پیدا ہونے لگا ہے۔ آج سے ۱۵-۲۰ سال پہلے ایسی خرابی پیدا ہوئی تھی مگر وہ دبانے سے دب گئی لیکن اب پھر کچھ نوجوان ایسے ہیں جو حکم نہیں مانتے اور سرکشی کرتے ہیں۔ جس طرح جب کسی جانور کو چھیڑا جائے تو وہ دولتی

مارتا ہے اسی طرح ان کی حالت ہے۔ جب انہیں کوئی حکم دیا جائے تو وہ دولتی مارنے اور کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کلام غیر شریفانہ اور ناشائستہ ہوتا ہے۔ انہیں مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اطاعت و فرمانبرداری کی عادت ڈالیں۔ اور مَیں افسروں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی سیدھا راستہ اختیار کیا کریں۔ وہ صاف کہہ دیں کہ مجھے یہ حکم دینے کا اختیار ہے اور مَیں یہ حکم دیتا ہوں اگر مانتے ہو تو مانو ورنہ انکار کر دو۔ اور پھر ایسے موقع پر بزدلی نہ دکھانی چاہیئے اور ایسے لوگوں کے متعلق فوراً فیصلہ کر دینا چاہیئے۔ خط و کتابت پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ جواب دہ ہیں اپنے افسروں کے سامنے اپنے ماتحتوں کے سامنے نہیں۔ صدر انجمن احمدیہ میرے سامنے ذمہ وار ہے، ناظر صدر انجمن احمدیہ کے سامنے ذمہ دار ہیں، ان کے ماتحت مجالس یا افسران کے سامنے ذمہ دار ہیں اپنے ماتحتوں کے سامنے نہیں۔ پس ایسی صورت میں کسی افسر کو خط و کتابت پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، وہ صاف کہہ دے کہ یہ میرا اختیار ہے اور مَیں یہ حکم دیتا ہوں، اور اس کی تعمیل ضروری ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ماتحت اس حکم کے خلاف اپیل کر سکتا ہے مگر حکم ملتے وقت اس کا فرض ہے کہ اس کی تعمیل کرے۔ اس کے بعد اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس حکم کا دینا افسر کے اختیار میں نہ تھا تو وہ اس کی اپیل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انکار کرتا ہے تو فوراً اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے، لٹکانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی بزدلی کی بات ہوتی ہے کہ ماتحت کی بات سُن کر فیصلہ نہ کیا جائے اور بحث اور دلائل میں پڑا جائے۔ اس کے بعد وہ کارکن یا تو حکم کی تعمیل کرے گا اور کام کرے گا اور یا پھر کام چھوڑ دیگا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حکم مان لے مگر افسروں کے پاس اپیل کرے۔ اگر اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہو تو پھر افسر کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے .....

مَیں پہلے بھی توجہ دلا چکا ہوں کہ سلسلہ مقدم ہے سب انسانوں پر۔ سلسلہ کے مقابلہ میں کسی انسان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو، حتیٰ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا بھی مجرم ہو تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ کوئی انسان بھی سلسلہ سے بالا نہیں ہو سکتا ..... اسلام اور احمدیت کے لئے اگر ہمیں اپنی اولادوں کو بھی قتل کرنا پڑے تو ہم اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں گے لیکن سلسلہ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ پس تم اپنے اندر سلسلہ کی صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا فضل تم پر نازل ہو، اگر تم چاہتے ہو کہ بے دینوں کی موت نہ مرو اور ایسے مقام پر کھڑے نہ ہو کہ موت سے پہلے اللہ تعالیٰ تم کو مرتدین میں داخل کر دے تو اپنے اندر صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ احمدیت یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے احمدیت ایک ایسی دھار ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔ یہ تلوار کی دھار ہے اور جو بھی اس کے سامنے کھڑا ہوگا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ جس سلسلہ کو قائم کرنا چاہے اس کی راہ میں جو بھی

کھڑا ہو وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی انسان کی پرواہ نہیں کی جائے گی خواہ وہ کوئی ہو، خواہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا کیوں نہ ہو، خواہ وہ میرا بیٹا کیوں نہ ہو سلسلہ مقدم اور غالب ہے ہر انسان پر۔ پس مَیں نے پھر ایک دفعہ کھول کر اس بات کو بیان کر دیا ہے تا کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ غفلت ہو گئی اور خیال نہ رہا۔ خوب یاد رکھو کہ اطاعت، اطاعت، اطاعت خلاصہ ہے دین کا۔ جو شخص افسر کی اطاعت نہیں کرتا وہ سمجھ لے کہ اُس کی نمازیں اور اُس کے روزے اور اُس کا ایمان اُسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گا۔ وہ کفر کی سرحد پر کھڑا ہے اور ایک دھکے سے کافروں میں جا گریگا اور اس کی نمازیں اور اُس کے روزے اور اُس کی زکوٰۃ اور اُس کے صدقات اُس کے کسی کام نہ آسکیں گے۔ جو شخص نمازیں پڑھتا ہے، چندے دیتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، صدقات کرتا ہے اور دوسری نیکیاں بجا لاتا ہے مگر اس میں یہ نقص ہے کہ وہ اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا تو وہ ایسے مقام پر کھڑا ہے جہاں ابلیس تھا۔ ابلیس بھی اپنے آپ کو موحّد سمجھتا تھا مگر چونکہ اس نے نشوز اختیار کیا اور نافرمانی کا مادہ اُس کے اندر تھا اس لئے ایک دن وہ کچھ اَور تھا اور دوسرے دن کچھ اَور ہو گیا .... وہ انسان جو اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتا اور سلسلہ کے کام میں تعاون نہیں کرتا وہ اس خطرہ میں ہے کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بے دینوں اور کافروں کی موت مرے۔

پس مَیں آج پھر یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کی رُوح پیدا کرو۔ جب تک یہ رُوح زندہ رہے گی احمدیت زندہ رہے گی لیکن جب یہ رُوح مٹ گئی اور نشوز اور سرکشی کی عادت پیدا ہو گئی وہ دن اگر تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی سلسلہ کے خاتمہ کا دن ہو گا تو تم اس کا گلا گھونٹنے والے ہو گے لیکن اگر وہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلسلہ کے خاتمہ کا نہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تمہارا گلا گھونٹ دیں گے۔"

(الفضل ۱۵ رجون ۱۹۴۴ء)

اطاعت کو لازم پکڑے بغیر کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا

"حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو افراد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور دوسرے ایسے احکام جو تمام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جیسے جہاد یا مشورہ کے لئے قوم کا جمع ہونا یا کوئی ایسا حکم جو ساری جماعت کی ضروریات کو مدّنظر رکھ کر دیا گیا ہو۔ جو کام ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں افراد سے نہیں ان میں سب کو ایسا پرویا ہوا ہونا چاہیئے جیسے تسبیح کے دانے ایک تاگے میں

پروئے ہوتے ہیں۔ کسی کو ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اگر کوئی ضروری کام کے لئے جانا چاہے تو امام کی اجازت سے جائے۔ اسی حقیقت کو تصویری زبان میں ظاہر کرنے کے لئے لوگ جب تسبیح کے دانے پروتے ہیں تو تاگے کے دونوں سرے اکٹھے کر کے ایک لمبا دانہ پرو دیتے ہیں اور اُسے امام کہتے ہیں۔ درحقیقت اس سے قومی تنظیم کی اہمیت کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ جس طرح تسبیح کے دانوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے اسی طرح تمہیں بھی ہمیشہ ایک امام کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ ورنہ تمہاری تسبیح وہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکے گی جو اجتماعی تسبیح پیدا کیا کرتی ہے۔ لیکن بہت کم ہیں جو اس گُر کو سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا جو ایسے امور میں جو ساری جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اپنی رائے اور منشاء کے ماتحت کام کرے اور امام کی کوئی پروا نہ کرے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم جزو اوّل تفسیر سورۃ نور ص۳۴)

اطاعتِ رسول کیلئے ضروری ہے کہ نظام کی بھی اطاعت کی جائے

"جمعہ جو نماز کا بہترین حصہ ہے اسی صورت میں احسن طریق پر ادا ہو سکتا ہے جب مسلمانوں میں خلافت کا نظام موجود ہو۔ چنانچہ دیکھ لو ہمارے اندر چونکہ ایک نظام ہے اس لئے میرے خطبات ہمیشہ اہم وقتی ضروریات کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کئی غیر احمدی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

درحقیقت لیڈر کا کام لوگوں کی راہنمائی کرنا ہوتا ہے مگر یہ راہنمائی وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس دنیا کے اکثر حصوں سے خبریں آتی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ حالات کیا صورت اختیار کر رہے ہیں۔ صرف اخبارات سے اس قسم کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اخبارات میں بہت کچھ جھوٹی خبریں درج ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اُن میں واقعات کو پورے طور پر بیان کرنے کا التزام نہیں ہوتا لیکن ہمارے مبلغ چونکہ دنیا کے اکثر حصوں میں موجود ہیں اور پھر جماعت کے افراد بھی دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ مجھے ہمیشہ سچی خبریں ملتی رہتی ہیں اور مَیں اُن سے فائدہ اٹھا کر جماعت کی صحیح راہنمائی کرتا رہتا ہوں۔ پس درحقیقت اقامۃ الصلوٰۃ بھی بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اطاعتِ رسول بھی جس کا اس آیت میں ذکر ہے خلیفہ کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول کی اطاعت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ سب کو وحدت کے ایک رشتہ میں پرو دیا جائے۔ یوں تو صحابہؓ بھی نمازیں پڑھتے تھے اور

آج کل کے مسلمان بھی نمازیں پڑھتے ہیں، پھر صحابہؓ اور آج کل کے مسلمانوں میں فرق کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں ایک نظام کا تابع ہونے کی وجہ سے اطاعت کی روح حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جب بھی کوئی حکم دیتے صحابہؓ اُسی وقت اس پر عمل کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ اطاعت کی روح آجکل کے مسلمانوں میں نہیں۔ مسلمان نمازیں بھی پڑھینگے، روزے بھی رکھیں گے، حج بھی کریں گے، مگر ان کے اندر اطاعت کا مادہ نہیں ہوگا کیونکہ اطاعت کا مادہ نظام کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعتِ رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعتِ رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو، یا روزے رکھو، یا حج کرو، یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعتِ رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں، اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں، اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن کو قربان کرنے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں اور اپنے وطن قربان کرنے (چھوڑنے) کے لئے کھڑے ہو جائیں۔

غرض یہ تین باتیں ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہے گی، اور تمہارے دل سے اطاعتِ رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا۔ ہماری جماعت کو چونکہ ایک نظام کے ماتحت رہنے کی عادت ہے اور اس کے افراد اطاعت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اس لئے اگر ہماری جماعت کے افراد کو آج اُٹھا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رکھ دیا جائے تو وہ اسی طرح اطاعت کرنے لگ جائیں گے جس طرح صحابہؓ اطاعت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے تم اُس زمانہ میں لے جاؤ تو وہ تمہیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دے گا اور وہ کہے گا ذرا ٹھہر جائیں مجھے فلاں حکم کی سمجھ نہیں آئی۔ بلکہ جس طرح ایک پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے کہدیا "خو! محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا" کیونکہ قدوری میں لکھا ہے کہ حرکتِ کبیرہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اسی طرح وہ بعض باتوں کا انکار کرنے لگ جائے گا۔ لیکن اگر ایک احمدی کو لے جاؤ تو اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا کہ وہ کسی غیر مانوس جگہ میں آگیا ہے۔ بلکہ جس طرح مشین کا پُرزہ فوراً اپنی جگہ پر لگ جاتا ہے اسی طرح وہ وہاں فٹ آجائے گا اور جاتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بن جائے گا اور آپؐ کے ہر حکم کی بلا چون وچرا اطاعت کرنے لگ جائے گا اور ائمہ اربعہ اس کے لئے کبھی ٹھوکر کا موجب نہیں بنیں گے کیونکہ وہ سمجھتا ہوگا کہ اصل حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ائمہ اربعہ تو محض آپؐ کے غلام بلکہ شاگردوں کے بھی شاگرد ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد ۵ جزء اول تفسیر سورۃ نور صفحہ ۳۷)

امام کا مقام یہ ہے کہ وہ حکم دے اور افرادِ جماعت کا مقام یہ ہے کہ وہ اطاعت کریں

"جو جماعتیں منظم ہوتی ہیں ان پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور کچھ شرائط کی پابندی کرنی ان کیلئے لازمی ہوتی ہے جن کے بغیر اُن کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل سکتے۔ اور سلسلہ کے متعلق مَیں نے کہا تھا کہ ان شرائط اور ذمہ داریوں میں سے ایک اہم شرط اور ذمہ داری یہ ہے کہ جب وہ امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر چکے ہیں تو پھر انہیں امام کے مُنہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہیئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اٹھانے کے بعد اپنا قدم اُٹھانا چاہیئے اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہیئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آکر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہتی۔ اگر ایک شخص اپنے طور پر دوسری قوموں سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور ایسا فتنہ یا جوش پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہو تو اس کے متعلق یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اُس نے امام اور خلیفہ کے منصب کو چھین لیا اور خود امام اور خلیفہ بن بیٹھا اور وہ فیصلہ جس کا اجراء خلیفہ اور امام کے ہاتھوں ہونا چاہیئے تھا خود ہی صادر کر دیا۔ اگر ہر شخص کو یہ اجازت ہو تو تم ہی بتاؤ پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جماعت کے نظام کی مثال اُس ٹین کی سی ہوگی جو کُتے کی دُم سے باندھ دیا جاتا ہے اور وہ جدھر جاتا ہے ساتھ ساتھ ٹین بھی حرکت کرتا جاتا ہے۔ امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے باوجود بیعت کر لینے کے ابھی تک بیعت کا مفہوم نہیں سمجھا۔

مَیں سمجھتا ہوں اس کی بہت بڑی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے۔ وہ خلافت اور اس کی اہمیت پر تقریریں کرنے سے ساکت رہتے ہیں اور ان کے لیکچر ہمیشہ اَور اَور مضامین پر ہوتے ہیں۔ اس امر کے متعلق بہت ہی کم دلائل قرآن مجید یا احادیث یا عقل سے دیئے جائیں گے کہ خلافت سے وابستگی کتنی اہم چیز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں شاید لوگ اِن مسائل کو جانتے ہی ہیں اس لئے اِن مسائل پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ یہی وہ خیال تھا جس نے پہلے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ گزشتہ علماء نے خیال کر لیا کہ توحید پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے، بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو توحید کو نہ مانے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ توحید ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح کرنے کی کیا حاجت ہے، یہ تو ایک صاف اور واضح مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسالت پر ایمان بھی جاتا رہا۔ انہوں نے خیال کر لیا نظام کی ضرورت پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے سب کو معلوم ہی ہے کہ نظام میں سب برکت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا

نظام بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ نماز اور روزہ کی تاکید کرنے کی بار بار کیا ضرورت ہے سب لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نمازوں میں بھی سستی آگئی اور روزے بھی ہاتھ سے جاتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے خیال کر لیا کہ حج کا مسئلہ بھی ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی ناواقف ہو اور نتیجہ یہ ہوا کہ حج کے مسائل بھی لوگوں کے ذہن سے اتر گئے اور استطاعت کے باوجود انہوں نے حج کرنا چھوڑ دیا۔ تو جب کسی قوم کے علماء یہ خیال کر لیتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل لوگ جانتے ہی ہیں اس قوم میں آہستہ آہستہ ان مسائل سے ناواقفیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور آخر اس نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں ایک حد تک اس کی ذمہ داری جماعت کے علماء پر ہے۔

لیکن ایک حد تک اس کی ذمہ داری جماعت کے افراد پر بھی ہے کیونکہ ان کے سامنے یہ مسائل بالکل تازہ ہیں اور وہ خلافت کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ کئے جا چکے ہیں اور گو آج اس پر بحثیں نہیں ہوتیں مگر آج سے بیس سال پہلے اس پر خوب بحثیں ہو چکی ہیں اور خود جماعت کے افراد اس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر آج وہ ان مسائل کو کیوں بھول گئے۔ میں نے اس امر کی طرف توجہ ان واقعات کی وجہ سے دلائی تھی جو قادیان میں حال ہی میں ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ فتنہ و فساد کی نیت سے کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست فوراً اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ دشمن کی تو غرض ہی یہ تھی کہ وہ کوئی فتنہ و فساد پیدا کرے اور انہیں زیر الزام لائے۔ ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جس کا دشمن اس کے لئے گڑھا کھودتا ہے اور اس پر گھانس پھونس ڈال دیتا ہے اور وہ اپنی بے وقوفی سے گھانس پر پاؤں رکھتا اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خیالی مثال کی کیا ضرورت ہے شیر کے شکاریوں کی مثال لے لو جو پہلے زمانہ میں شیر کا شکار اس طرح کرتے تھے کہ گھاس کے نیچے بانس کی کیچیوں کے اوپر خاص طور پر سریش تیار کر کے چپکا دیتے اور گھاس پر بکرا باندھ دیتے۔ شیر خیال کرتا کہ بکرا میرا شکار ہے اور وہ اس پر حملہ کر دیتا لیکن جب بکرے کے پاس پہنچتا تو کیچیوں میں لپٹ جاتا۔ اسی طرح دشمن بعض دفعہ ایسی حرکات کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے مخالف کو بلاتا ہے کہ آؤ اور مجھ پر حملہ کرو۔ عقلمند آدمی موقع کو خوب سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حملے کا کونسا موقع ہے لیکن نادان آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتا، وہ حملہ کر دیتا اور کیچیوں میں پھنس جاتا ہے۔ پھر شور مچاتا ہے کہ آؤ آؤ اور مجھے اس مصیبت سے بچاؤ، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی آواز سن کر دو چار آدمی اور دشمن پر حملہ کر دیتے ہیں اور وہ بھی انہی کیچیوں میں پھنس جاتے ہیں اور اسی طرح یہ معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔ انگریزوں میں ایک کہانی مشہور ہے جو اسی قسم کے فتنوں پر چسپاں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی بطخ تھی جب وہ کسی شخص پر ناراض ہوتا تو کسی طرح اس کا ہاتھ بطخ کو لگوا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس بطخ سے اس کا

ہاتھ چمٹ جاتا اور وہ چھوٹ نہ سکتا۔ یہ دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار اُسے چھڑانے کے لئے آتے اور جو بھی بطیخ پر ہاتھ ڈالتا اس کے ساتھ چمٹ جاتا۔ یہی حال ایسی لڑائی کا ہوتا ہے جب ایک شخص لڑائی میں شامل ہوتا اور دشمن کی گرفت میں آجاتا ہے تو شکوہ کرتا اور شور مچانے لگ جاتا ہے کہ میں جماعت کا ممبر ہوں میری مدد کیوں نہیں کی جاتی، میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس شخص کو جواب تو یہ ملنا چاہیئے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کیا کی جائے، تم نے نظام کو توڑا اور سلسلہ کی ہتک کی، لڑائی کرنا امام کا کام تھا، تمہارا کام نہیں تھا۔ لیکن اس کی آواز سن کر کئی رحم دل یا یوں کہو کہ کمزور دل کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ آؤ اس کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ اُس کی مدد کے لئے اُس کے پیچھے جاتے ہیں اور وہی لڑائی جو پہلے ایک شخص کی تھی بیس آدمیوں کی لڑائی بن جاتی ہے اور پھر ایک کی بجائے بیس آوازیں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں کہ آنا آنا، بچانا بچانا۔ اس پر وہ لوگ بھی جو پہلے اِس خیال سے خاموش ہوتے ہیں کہ یہ انفرادی فعل ہے اس میں ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اب ایک کا سوال نہیں بیس کا سوال ہے اور وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب لڑائی میں چالیس آدمی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ چالیس اپنے ساتھ اوروں کو ملاتے اور ساٹھ بن جاتے ہیں، ساٹھ ایک سو بیس کی کشمش کا موجب بنتے ہیں اور ایک سو بیس کے شور مچانے پر دو سو چالیس کی تعداد ہو جاتی ہے ۔ یہ دو سو چالیس پھر چار سو اسی ہو جاتے ہیں جو بڑھ کر نو سو ساٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ساری جماعت ایک معمولی وجہ سے ایسی لڑائی میں شامل ہو جاتی ہے جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور دشمن دل میں ہنستا ہے کہ جو میری غرض تھی وہ پوری ہو گئی۔ ...... بعض دفعہ دشمن اس قسم کی چالاکی بھی کرتا ہے، سمجھنے والے تو بچ جاتے ہیں لیکن جو اندھا دھند کام کرنے والے ہوں وہ پھنس جاتے اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اسلام نے حکم دیا ہے کہ اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ یعنی امام کو ہم نے تمہارے لئے ڈھال کے طور پر بنایا ہے۔ اگر اُس کے پیچھے ہو کر لڑو گے تو زخموں سے بچ جاؤ گے۔ لیکن اگر آگے ہو کر حملہ کرو گے تو مارے جاؤ گے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کیا حالات ہیں، کس وقت اعلانِ جنگ ہونا چاہیئے اور کس وقت دشمن کے فریب سے بچنا چاہیئے ...... جو کچھ میں سمجھتا ہوں اور جسے میں جانتا ہوں کہ میں سچ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو اُس وقت بے شک لڑو لیکن جب تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں، لاٹھی اور سوٹے سے ہی نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ

مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے .... تم اپنے جذبات کو روکنے کی عادت ڈالو اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھو۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ہم انتہائی کوشش کر کے دشمن کو جب اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ مجرم ثابت ہونے والا ہوتا ہے اور اسکی سُوگالیاں پکڑ لیتے ہیں تو جھٹ تم میں سے ایک شخص کوئی سخت لفظ کہہ دیتا ہے اور خواہ وہ گالی نہ ہو محض ایک سخت لفظ ہو حکومت اُن کی سُو گالیوں کو پرے پھینک کر کہہ دیتی ہے کہ آپ کے آدمی نے بھی یہ گالی دی ہے ۔ پس تمہارے اُس ایک آدمی کی غلطی کی وجہ سے حکام ایک عرصہ تک یہی دہراتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے آدمی نے بھی یہی بات کہی تھی اور اِس طرح ہماری ساری سکیم تم میں سے ایک شخص جوش میں آکر تباہ کر دیتا ہے ۔ اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اب ضرب لگانے کا وقت ہے ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنی بے وقوفی سے اس ضرب کو اپنے اُوپر لے لیتا اور بنی بنائی سکیم کو بگاڑ دیتا ہے ۔

پس میں پھر جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری یہ باتیں سمجھنی مشکل نہیں تم میں سے جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ باتیں مشکل ہیں اور جلد سمجھ میں نہیں آسکتیں وہ کوئی آٹھ دس سال کا بچہ میرے سامنے لے آئے میں اُسے یہ تمام باتیں سمجھا کر بتا دیتا ہوں ۔ پھر اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ سمجھو تو سوائے اس کے اور کیا معنے ہوں گے کہ تم چاہتے ہی نہیں کہ سمجھو اور میری باتوں پر عمل کرو۔ میں سوئے ہوئے کو تو جگا سکتا ہوں مگر جو جاگ رہا ہو اور یونہی آنکھیں بند کر کے پڑا ہوا ہو اُسے کس طرح جگا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق تو میرے پاس سوائے اِس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں خدا سے ہی کہوں کہ خدایا مجھے اِن نادان دوست سے بچا کر یہ میرے کام میں روک بنا ہوا ہے ۔" (الفضل ۵ جولائی ۱۹۳۷ء)

خلفاء کی اطاعت اُسی طرح فرض ہے جس طرح انبیاء کی اطاعت فرض ہے

"خلافت ایک ایسی چیز ہے جس سے جُدائی کسی عزت کا مستحق انسان کو نہیں بنا سکتی ۔ اِسی مسجد میں میں نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا آپ فرماتے تم کو معلوم ہے پہلے خلیفہ کا دشمن کون تھا ؟ پھر خود ہی اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے کہ قرآن پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن ابلیس تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میں بھی خلیفہ ہوں اور جو میرا دشمن ہے وہ بھی ابلیس ہے ۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلیفہ مامور نہیں ہوتا ۔ گو یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ مامور نہ ہو ۔ حضرت آدمؑ

مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے، حضرت داؤدؑ مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے، اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مامور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ پھر تمام انبیاء مامور بھی ہوتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ خلیفہ بھی۔ جس طرح ہر انسان ایک طور پر خلیفہ ہے اسی طرح انبیاء بھی خلیفہ ہوتے ہیں مگر ایک وہ خلفاء ہوتے ہیں جو کبھی مامور نہیں ہوتے گو اطاعت کے لحاظ سے ان میں اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہے۔ ہاں ان دونوں اطاعتوں میں ایک امتیاز اور فرق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ وحیٔ الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے۔ مگر خلیفہ کی اطاعت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ وحیٔ الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ تنفیذِ وحیٔ الٰہی اور تمام نظام کا مرکز ہے۔ اسی لئے واقف اور اہلِ علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کو عصمتِ کبریٰ حاصل ہوتی ہے اور خلفاء کو عصمتِ صغریٰ۔ اسی مسجد میں اسی منبر پر جمعہ کے ہی دن حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مَیں نے سُنا آپ فرماتے تھے کہ تم میرے کسی ذاتی فعل میں عیب نکال کر اس اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتے جو خدا نے تم پر عائد کی ہے۔ کیونکہ جس کام کے لئے مَیں کھڑا ہوا ہوں وہ اَور ہے اور وہ نظام کا احیاء ہے اسی لئے میری فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہے۔ تو انبیاء کے متعلق جہاں الٰہی سنّت یہ ہے کہ سوائے بشری کمزوریوں کے جن میں توحید اور رسالت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ دخل نہیں دیتا اور اس لئے بھی کہ وہ امت کی تربیت کے لئے ضروری ہوتی ہیں (جیسے سجدۂ سہو کہ وہ بھول کے نتیجہ میں ہوتا ہے مگر اس کی ایک غرض اُمّت کو سہو کے احکام کی عملی تعلیم دینا تھی) ان کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں وہاں خلفاء کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ ان کے وہ تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے جو نظامِ سلسلہ کی ترقی کے لئے اُن سے سرزد ہوں گے اور کبھی بھی وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کریں گے اور اگر کریں تو اُس پر قائم نہیں رہیں گے جو جماعت میں خرابی پیدا کرنے والی اور اسلام کی فتح کو اس کی شکست سے بدل دینے والی ہو۔ وہ جو کام بھی نظام کی مضبوطی اور اسلام کے کمال کے لئے کریں گے خدا تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوگی اور اگر وہ کبھی غلطی بھی کریں تو خدا اس کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہوگا۔ گویا نظام کے متعلق خلفاء کے اعمال کے ذمہ دار خلفاء نہیں بلکہ خدا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفاء خود قائم کیا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو اُن ہی کی زبان سے یا عمل سے خدا تعالیٰ اس غلطی کی اصلاح کرا دے گا یا اگر اُن کی زبان یا عمل سے غلطی کی اصلاح نہ کرائے تو اُس غلطی کے بدنتائج کو بدل ڈالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہے کہ خلفاء بھی کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جس کے نتائج بظاہر مسلمانوں کے لئے مضر

ہوں اور جس کی وجہ سے بظاہر جماعت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ بجائے ترقی کرنے کے تنزل کی طرف جائے گی تو اللہ تعالیٰ نہایت مخفی سامانوں کے ذریعہ اس غلطی کے نتائج کو بدل دے گا اور جماعت بجائے تنزل کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے گی اور وہ مخفی حکمت بھی پوری ہو جائے گی جس کے لئے خلیفہ کے دل میں ذہول پیدا کیا گیا تھا۔ مگر انبیاء کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں یعنی عصمت کبریٰ بھی اور عصمت صغریٰ بھی۔ وہ تنفیذ و نظام کا بھی مرکز ہوتے ہیں اور وحی و پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز بھی ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر خلیفہ کے متعلق ضروری ہے کہ وہ پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پاکیزگیٔ اعمال سے تعلق رکھنے والے بعض افعال میں وہ دوسرے اولیاء سے کم ہو۔

پس جہاں ایسے خلفاء ہو سکتے ہیں جو پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز ہوں اور نظام سلسلہ کا مرکز بھی وہاں ایسے خلفاء بھی ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اور ولایت میں دوسروں سے کم ہوں لیکن نظامی قابلیتوں کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں مگر ہر حال میں ہر شخص کے لئے ان کی اطاعت فرض ہو گی۔

چونکہ نظام کا ایک حد تک جماعتی سیاست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے خلفاء کے متعلق غالب پہلو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ نظامی پہلو کو برتر رکھنے والے ہوں گو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دین کے استحکام اور اُس کے صحیح مفہوم کے قیام کو بھی وہ مدنظر رکھیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خلافت کا ذکر کیا (نور ع ۷) وہاں بتایا کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم خدا ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور اسے دنیا پر غالب کرے گا۔ پس جو دین خلفاء پیش کریں وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے مگر یہ حفاظت صغریٰ ہوتی ہے۔ جزئیات میں وہ غلطی کر سکتے ہیں اور خلفاء کا آپس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے مگر وہ نہایت ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں جیسے بعض مسائل کے متعلق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں اختلاف رہا بلکہ آج تک بھی اُمت محمدیہ ان مسائل کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار نہیں کر سکی۔ مگر یہ اختلاف صرف جزئیات میں ہی ہو گا اصولی امور میں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہو گا بلکہ اُس کے برعکس ان میں ایسا اتحاد ہو گا کہ وہ دنیا کے ہادی و راہ نما اور اُسے روشنی پہنچانے والے ہوں گے۔ پس یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص باوجود بیعت نہ کرنے کے اسی مقام پر رہ سکتا ہے جس مقام پر بیعت کرنے والا ہے درحقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص یہ سمجھا ہی نہیں کہ بیعت اور نظام کیا چیز ہے۔"

(الفضل ۱۷ فروری ۱۹۳۵ء)

قوانین کے پُورے طور پر فرمانبردار بنو اور اطاعت کی عادت ڈالو!

"اس وقت ہماری جماعت جس حالت میں سے گزر رہی ہے اس میں اسے پابندیوں کی سخت ضرورت ہے۔ پس مَیں اپنی جماعت کو یہی نصیحت کروں گا کہ اگر تم ترقی اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تربیت کے ماتحت رہ کر ہی حاصل کر سکتے ہو۔ جب تک پابندیوں کے لئے تیار نہ ہوگے اور جب تک احکام کے جُوئے کے نیچے گردن نہ رکھ دو گے کچھ ترقی نہ کر سکو گے۔ بے شک جُوا پہلے پہل بوجھل لگتا ہے مگر جب عادت ہو جائے تو پھر اس کا احساس بھی نہیں رہتا ..... چاہیئے کہ ہماری جماعت کے افراد خواہ وہ قادیان میں رہتے ہوں یا باہر اپنے آپ کو ہر بات میں ہدایات اور قوانین کا پابند بنائیں اور اس کی ایسی عادت ڈالیں کہ ان کو قوانین معلوم ہی نہ ہوں۔ دیکھو بچے ننگے پاؤں پھرتے ہیں مگر بڑے ہو کر نہیں چاہتے کہ جُوتی نہ پہنیں۔ بچے پڑھتے نہیں مگر بڑے ہو کر پڑھتے ہیں کیونکہ اسی میں فائدہ سمجھتے ہیں۔ تمہاری یہی حالت ہے۔ اور اب اگر ہدایات کی پابندی کی عادت ڈالو گے تو پھر ان کی پابندی کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ عادت تو بُری بھی جس کو پڑ جاتی ہے وہ کرتا رہتا ہے پھر اگر نیکی کی عادت ڈالو گے تو وہ کیوں اچھی نہ لگے گی۔ پس پُورے طور پر قوانین کے فرمانبردار بن جاؤ اور اطاعت کی عادت ڈالو ورنہ یاد رکھو قطعاً ترقی نہ حاصل ہوگی۔ قوانین کی پابندی چھوڑ کر نہ پہلے کسی قوم نے ترقی کی ہے نہ اب کر سکتی ہے۔ اپنے اپنے زمانہ کی پابندیوں کو مدنظر رکھنے کی وجہ سے پہلے لوگوں نے ترقی کی اُسی طرح تم کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اُن رستوں پر چلائے جو کامیابی کے رستے ہیں اور کامیابی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔"

(الفضل ۱۰ر اگست ۱۹۲۳ء)

اطاعت سے غفلت برتنے اور پرواہ نہ کرنے کا نقصان

"مَیں نے بارہا اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الامام جُنّۃ یقاتل من ورائہ۔ امام کے بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت اس کے پیچھے لڑتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ جماعت کے لوگ خود لڑائی چھیڑ دیں۔ اعلانِ جنگ امام کا کام ہے اور وہ جس امر کے متعلق اعلان کرے جماعت اُس طرف متوجہ ہو۔

مگر کئی دوست نہیں سمجھتے اور جھٹ ہر امر پر اظہارِ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات دشمن اس سے چڑ کر شدت سے گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے اور پھر ساری جماعت اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔ ایک عام آدمی جس کو خدا تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہوتا، نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سلسلہ کی ضرورتیں کیا ہیں، نہ اس کو کسی سکیم کا پتہ ہوتا ہے، نہ دشمن کی چالوں کو سمجھتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ طاقت کہاں کہاں خرچ کرنی ہے، نہ جماعت کی ضرورتیں اور ترقی کی سکیمیں اس کے ذہن میں ہوتی ہیں، نہ اس کو علم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اس امر کے متعلق کیا تجویزیں ہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی رپورٹیں نہیں پہنچتیں، اور نہ حالات کا اس کو علم ہوتا ہے، وہ اپنی حماقت سے ایک چنگاری چھوڑ دیتا ہے یا دشمن کی لگائی ہوئی آگ کو اپنی پھونکوں سے روشن کر دیتا ہے اور پھر ساری جماعت کو اُسے بجھانا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو اپنی سکیمیں پیچھے ڈالنی پڑتی ہیں اور جماعت کی ساری طاقت اس شخص کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھانے میں صرف ہو جاتی ہے۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے امور میں قطعی طور پر امام کی اتباع کی جائے۔ اب کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بیعت میں اقرار کریں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف اپنی چھوٹی عزت کا خیال کرتے ہوئے اور امام کے احکام کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کریں کہ اگر امام گالی کا جواب نہیں دیتا تو اس کی بے غیرتی ہے۔ حالانکہ امام خوب سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ خاموش رہنا مناسب ہے یا جواب دینا۔ اور وہی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ ہر گالی جواب کے قابل نہیں ہوتی۔ بچپن میں لوگ ہمیں میاں صاحب اور قادیان کے محاورہ کے مطابق میاں جی بھی کہا کرتے تھے۔ پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں میں میاں جی مُلّا کو بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی اُردو ریڈروں میں لکھا ہُوا ہے کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں۔ استاد کو بھی میاں جی کہتے ہیں۔ بعض طالب علموں نے جو استادوں کے خلاف ہوتے ہیں انہوں نے ان کے متعلق بعض فقرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جیسے "میاں جی سلام تہاڈی گھوڑی نوں لگام"۔ اسی طرح مجھے بھی بعض لڑکے چھیڑا کرتے۔ عمر کے لحاظ سے بعض دفعہ مجھے اس پر غصہ بھی آتا لیکن خاموش رہتا۔ ایک دفعہ میں گزر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے دیکھ کر یہ فقرہ کہا۔ اس پر مجھے اشتعال آیا لیکن معاً خیال آیا کہ یہ بچے ہیں میرے اشتعال سے ان کو کیا فائدہ۔ اگر میں نے اشتعال دکھایا تو یہی فقرہ دوہرایا جائے گا اور بچے یاد رکھیں گے اور ایسا کہہ کر بھاگ جایا کریں گے پس میں نے اپنے نفس کو روکا حتیٰ کہ ایک دو دن کے بعد وہ بھول گئے۔ پس ہر گالی قابلِ جواب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین کہ ان مشرکوں کی طرف سے گالیاں دی جائیں گی ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور تبلیغ کی طرف لگے رہنا تا ایسا نہ ہو کہ اصل مقصود بھول جائے اور ایسے کام کی طرف لگ جاؤ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایک عظیم الشان اخلاقی فلسفہ ہے جو قرآن نے پیش

کیا کہ واعرض عن المشرکین ۔
یاد رکھنا چاہیئے کہ مخالف دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ ایک وہ جو کوئی اہمیت ذاتی یا پوزیشن رکھتے ہیں ان کو صداقت کی جاذبیت دیکھ کر غصّہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سخت کلامی کرتے ہیں ۔ اور ایک اوباش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سخت الفاظ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اس کی تو عزت کوئی نہیں اس کی ایک گالی کے جواب میں اگر تم بھی گالی دو گے تو اس کے جواب میں وہ پانچ دے گا اور تمہاری دس گالیوں کے مقابلہ میں پچاس دے گا ۔ پھر مقابلہ کیا رہا ۔ وہ معزز شخص جس کے پیچھے ایک قوم ہوتی ہے اگر اس کو اس کی سخت کلامی کا جواب دیا جائے تو مفید ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھی اس کو ملزم کہیں گے اور اس کو کہیں گے کہ غلطی تمہاری بھی کیوں تم نے ابتدا کی اور وہ اپنی پردہ دری کے خوف سے چپ ہو جائے گا ۔ مگر اوباش کو کون بتلائے اور اسے کون سمجھائے، وہ بتلانے والے کو بھی دس بیس سنا دے گا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کو جواب نہ دینا ہم خود جواب دیں گے کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کے مقابلہ کے لئے کافی ہیں ۔ جو حقارت اور تذلیل کے ذریعہ مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں نہ ہمت ہے نہ طاقت، نہ ہی دنیوی ڈھنگ آتے ہیں، ان لوگوں کی اپنی کوئی عزت نہیں، وہ اس سے بڑھ کر گالیاں دیں گے ۔ اور بجائے اس کے کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں دشمن بدگوئی میں بڑھتا چلا جائے گا ۔ ایسے انسان کی زبان کو لگام نہ عزت دے سکتی ہے نہ رتبہ نہ شرافت کیونکہ یہ باتیں اسے میسّر نہیں ہوتیں ۔ اگر یہ چیزیں اسے حاصل ہوں تو جواب کی اہمیت اس کی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میری بھی عزت ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے بعض دشمنوں میں سے ایسے ہی بعض لوگوں کو جواب دیا جو مثلاً پادری تھے اور اپنی قوم میں معزز تھے جبکہ وہ اسلام کے متعلق بدگوئی میں انتہا درجہ پر پہنچ گئے تا ان کو احساس ہو اور ان کی پوزیشن ان پر ظاہر ہو جائے ۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے پاس ایک جماعت متفرق لوگوں کی گئی جنہوں نے ان کو کہا کہ اگر تم سختی نہ کرتے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تم کو ایسی باتیں نہ سُننی پڑتیں، جس سے ان کو شرم محسوس ہوئی اور وہ رُک گئے یہی کہ بعض نے علی الاعلان کہنا شروع کیا کہ کسی مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہیئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بدگوئی بہت حد تک رُک گئی ۔ لیکن اگر آپ بعض اوباش عیسائیوں کے خلاف لکھتے تو کسی شریف نے ان کو روکنا نہیں تھا نہ خود ان کو اپنی عزت کا پاس ہوتا اور اس طرح وہ گالیوں میں بڑھ جاتے ۔ ایسے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی گالیاں سُن کر ان کو دعا دو ۔

خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انا کفینٰک المستھزئین کہ جو تمسخر کرتے ہیں ان میں علم اور عقل نہیں ہوتی ان کے جواب کی تم میں ہمت نہیں ہم ان کو خود جواب دیں گے۔ پس ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بے فائدہ ہے۔

اب قادیان کے ہندوؤں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ قوم میں معزز نہیں وہ اگر گالیاں دیں تو واعرض عن المشرکین کے مطابق ایسے مشرکین سے اعراض کرنا چاہیئے۔ ایسے شخصوں کا مقابلہ کرنے والا درحقیقت پاگل ہے اور وہ خود زیادہ گالیاں دلاتا ہے بلکہ سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ آپ گالیاں دلاتا اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تم ان کے بڑے لوگوں کو گالیاں مت دو کہ پھر یہ بغیر علم کے تمہارے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے کیونکہ دشمنی کے ساتھ بعض دفعہ عقل بھی ماری جاتی ہے اور حملہ کرتے وقت صرف یہی احساس دل میں ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان کی خاطر اگر اپنا نقصان بھی ہو جائے تو کوئی پروا نہیں۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے مکان کو آگ لگا دیتے ہیں تاکہ دوسرے کو مقدمہ میں پھنسا دیں۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو مار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے مار دیا۔ پس پاگلوں کو چھیڑنا خود پاگل پن ہے۔

ہماری جماعت کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک امام کے تابع کیا ہے اور امام خوب سمجھتا ہے کہ کہاں جواب دینا مناسب ہے اور کہاں نہیں۔ ہر جگہ جواب دینے کی مثال کُتّے کی سی ہوتی ہے جو بغیر امتیاز کے بھونکتا ہے۔ ایک شریف انسان بھی جواب دیتا ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کو جواب دیا جائے اور کیا جواب دیا جائے۔ پس یہ امام کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کونسے دشمن اسلام کے ایسے ہیں جن کو جواب دیا جائے اور کونسے دشمن ایسے ہیں جن کے اعتراضات سننے کے باوجود خاموشی اختیار کی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایسے گالیاں دینے والے لوگ موجود تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو کبھی جواب نہیں دیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جواب دیا اور "قادیان کے آریہ اور ہم" کتاب لکھی تو دیکھو اُن میں سے کون باقی رہا۔ سب طاعون سے فنا ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا۔

اس سے تم لوگ سمجھ سکتے ہو کہ اگر تمہارا جواب خدا کے حکم سے ہو تو اس کے نتیجہ میں بھی وہ بات پیدا ہو جائے لیکن جب پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوُا کہ تمہارا جواب خدا کے حکم کے خلاف ہے ورنہ چاہیئے تھا کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کرتے اور اس کا جواب دیتے۔ آسمان و زمین میں ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ وہ باتیں پوری ہو جاتیں۔ اگر تم ان کو ذلیل و بے شرم کہتے تو خدا کے فرشتے بھی ان الفاظ کو دہراتے اور ان کے دوست بھی ان کو ایسا ہی کہتے لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوُا تمہارے سخت الفاظ محض الفاظ ہی ہیں ان میں حقائق نہیں۔

اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقائق پیش کئے۔ دشمنوں نے آپ کو ابتر کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے دشمنوں کو ابتر کہا۔ ان کی اولادیں موجود تھیں لیکن خدا نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بعضوں کی اولاد کو لڑائیوں میں ختم کر دیا اور بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بن گئے اور اُن لوگوں کی اولاد نہ رہے۔ پنجابی میں "اوتر" بھی ابتر کو ہی کہتے ہیں۔ پنجابی عورتیں بھی یہ گالیاں دیتی ہیں کہ تم اوتر ہو جاؤ۔ لیکن وہ محض گالی ہوتی ہے ان عورتوں کی اس گالی سے کسی کے بچے نہیں مرتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دشمنوں کو ابتر کہا تو ان کی اولادیں واقعہ میں فنا ہو گئیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتر کہنا گالی نہ تھی بلکہ واقعہ تھا جو پورا ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض سخت اقوال سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم سے وہ الفاظ کہے اور زمین و آسمان ان کے ساتھ ہو گئے۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے بعض لوگ جب جواب دینے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور دشمن اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر گالیاں دیتا ہے تو بے غیرت بن کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ ان کو چاہیئے تھا کہ یا تو دشمن کا مُنہ بند کرتے یا گالی کا جواب دینے میں ابتداء نہ کرتے۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اخلاق دوسروں سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ پیغامِ حق پہنچانا، اخلاقِ فاضلہ پیدا کرکے دین و دنیا کی بہتری کی تجاویز سوچنا، نیکی اور علم کو وسعت دینا اور دنیا کی تکالیف دُور کرنا ان کا مقصود ہو تاکہ جو خدا کا مقصد سلسلہ احمدیہ کے قیام سے ہے وہ پورا ہو۔

یہ سنّت ہے کہ جب خدا کا کام بندہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو خدا اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس جگہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آپ کو گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ جب اس نے زیادہ سختی کی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو جواب دیا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک آپ خاموش رہے خدا کے فرشتے اسے جواب دیتے رہے لیکن جب آپ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چلے گئے۔ پس جس کام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہوا ہوتا ہے اگر بندہ اس میں دخل دے تو خدا اُسے چھوڑ دیتا ہے لیکن اگر بندہ صبر کرے اور یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا بدلہ لے لیگا تو خدا اس کا بدلہ لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں جا کر بھی دشمن نے گالیاں دیں اور تنگ کیا۔ نہ صرف ایک دن، نہ صرف ایک ماہ، نہ صرف ایک سال بلکہ اس وقت تک مخالفین آپ کو گالیاں دے رہے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے مطابق کہ حضرت اسمٰعیل جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد تھے اُن کے خلاف اُن کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اُٹھی رہے گی، آپ کو لوگ ہمیشہ گالیاں

دبتے رہتے ہیں لیکن خدا نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اور اس سے بہتر علاج ہی اس کا کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کر دے لیکن اسلام میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔ مجھے ایک دفعہ ایک یہودی نے چٹھی لکھی کہ میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشمنی ہو بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہو جاتا تھا لیکن آپ کے مبلغوں سے اسلام کی خوبیاں سُنکر اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج لوں۔ بھلا ہماری گالیوں سے سلسلہ کی کیا خدمت ہو سکتی ہے۔ اگر ہم دعا کریں کہ اے خدا تیرا وعدہ انا کفیناک المستھزئین سچا ہے تو آپ اس کا علاج کر۔ اور اس وعدہ پر اعتماد رکھ کے چُپ رہیں تو خدا خود ہی انتظام کرے گا اور اگر تم نے خود اس میں دخل دینا شروع کر دیا تو تم بیعت میں رخنہ ڈالنے والے، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو پس پُشت ڈالنے والے، اور سلسلہ کو بدنام کرنیوالے ہو گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام کی اطاعت کرو اور امام کے پیچھے ہو کر لڑو۔ پس لڑائی کا اعلان کرنا امام کا کام ہے۔ تمہاری غرض محض اس کی اطاعت ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس تعلیم کو خود ہی رد کرنیوالے ٹھہرو گے۔ دنیا میں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے عظیم الشان لڑائیاں ہو جاتی ہیں جیسے آسٹریا کے شہزادہ کے قتل سے عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں دو کروڑ سے زیادہ انسان قتل ہوئے۔

پس امام جب چاہے اعلانِ جنگ کرے جب چاہے چُپ رہے لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے پیچھے رہیں خود بخود کوئی حرکت نہ کریں۔ پس میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہو گی۔ میں مصلحت کو سمجھتا ہوں۔ ہر بات کی دلیل بیان کرنا امام کے لئے ضروری نہیں۔ جرنیل اور کمانڈر کے ہاتھ میں سارا راز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح حملہ کیا جائے۔ اگر وہ راز کھول دے تو دشمن اُس کا توڑ سوچ لے اور ساری سکیم باطل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص سچے طور پر بیعت کرتا ہے اور اتباع کا اقرار کرتا ہے تو اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے اعتراض نہیں کرنا چاہیئے ورنہ بیعت چھوڑ دے کیونکہ وہ منافق ہے پس گالیوں کا جواب نہیں دینا چاہیئے ورنہ آہستہ آہستہ بڑی لڑائی شروع ہو جائیگی اور پھر امام بھی مجبور ہو گا کہ اس میں شامل ہو اور اپنی طاقت ایسی جگہ خرچ کرے جہاں وہ مناسب نہیں سمجھتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست ان باتوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

کوئی مومن اس قدر بے وقوف نہیں ہوتا کہ اس کے غصے سے ساری جماعت کو نقصان پہنچے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور امام کے حکم کے منتظر رہیں۔ قرآن کریم میں جب لڑائی کا حکم آیا تو بعض لوگوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا لو نعلم قتالاً لاتبعناکم کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے

مگر یہ تو خودکشی ہے۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو لڑائی کے لئے زیادہ شور مچاتے تھے۔ پس زیادہ شور مچانا بسا اوقات نفاق کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جماعت کو لڑائی میں ڈال کر آپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہنے والے بعض دفعہ زیادہ مومن اور بہادر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش طبیعت تھے لیکن لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ پر موجود رہتے تھے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیونکہ لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہی ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تھے کیونکہ دشمن کا سارا زور وہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ یوں تو یہ بڈھا بہت نرم دل ہے لیکن لڑائی میں سب سے آگے رہتا ہے۔ پس خاموشی سے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا بلکہ ممکن ہے وہ جو زیادہ خاموش رہنے والا ہے خدا کے نزدیک زیادہ مخلص ہو اور جو زیادہ شور مچانے والا ہے وہ منافق ہو اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔" (الفضل ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء)

اطاعت کا اعلیٰ نمونہ ہی مومنوں کو کامیاب کرتا ہے

"میں نے متواتر جماعت کو بتایا ہے کہ خلافت کی بنیاد محض اور محض اس بات پر ہے کہ الامام جُنَّۃٌ یقاتل من ورائہ یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔ مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بھلا دیں، اسکی قیود کو ڈھیلا کر دیں، اور اسکی ذمہ داریوں کو نظرانداز کر دیں تو جس غرض کے لئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہو جائیگی۔ میں جانتا ہوں کہ انسانی فطرت کی کمزوریاں کبھی کبھی اسے اپنے جوش اور غصہ میں اپنے فرائض سے غافل کر دیتی ہیں۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی انسان ایسا اشتعال میں آجاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں مگر بہرحال یہ حالت اسکی کمزوری کی ہوتی ہے نیکی کی نہیں۔ اور مومن کا کام یہ ہے کہ کمزوری کی حالت کو مستقل نہ ہونے دے اور جہاں تک ہو سکے اسے عارضی بنائے بلکہ بالکل دور کر دے۔ اگر ایک امام اور خلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے، اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے، اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کے لئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس نکتہ کو واضح کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی

ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یعنی جو خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ہمارا وعدہ یہ ہے کہ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم۔ یعنی ان کے طریق کو جو ہم ان کیلئے خود چُنیں گے دنیا میں قائم کریں گے ۔ دین کے معنے صرف مذہب کے ہی نہیں، گو مذہب بھی اس میں شامل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے، خلفاء کے ذریعہ سُنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں، ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں، خلفاء دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور مغلق امور کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتاتے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے ۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہوگا ہم اسے مضبوط کریں گے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خلفاء کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے ۔ جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے، اسے ہی کامیاب بنائیں گے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہوگی اُسے ناکام کریں گے ۔ پس اگر کوئی مبائع اور مومن کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسے ناکام کریں گے ۔ اب اس پر غور کرو ۔ ایک شخص یا دس بیس یا ہزار دو ہزار یا دس بیس ہزار لوگ خلیفہ سے کوئی الگ پالیسی رکھتے ہیں یا اپنی اپنی الگ پالیسیاں رکھتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے تو جیسا کہ وہ فرما چکا ہے صرف خلیفہ کی پالیسی کو ہی کامیاب کرنا ہے ۔ تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اگر جماعت ایک لاکھ کی ہے تو اس میں سے اتنے ہزار کی کوششیں رائیگاں جائیں گی ۔ اگر ایک ہزار کی کوششیں اللہ تعالیٰ رد کر رہا ہے تو گویا ۹۹ ہزار، یا اگر دس ہزار کی رد ہو رہی ہیں تو نوے ہزار، اگر بیس ہزار کی رد ہو رہی ہیں تو اسی ہزار، اگر پچاس ہزار کی رد ہو رہی ہیں تو صرف پچاس ہزار لوگوں کی کوششیں کامیابی کے رستہ پر ہو رہی ہوں گی ۔ اور اس طرح سے جس نسبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے فتوحات آتی ہیں وہ اسی نسبت سے کم ہوتی جائیں گی ۔ ایک لاکھ سپاہیوں کو جو کامیابی ہونی تھی اتنی نہیں ہوگی، اور جتنی کوششیں رد ہو رہی ہوں گی اتنی کامیاب کوششوں میں کمی ہو جائے گی، اور اس طرح ایسے لوگ دین کی مدد کرنے والے نہیں ہونگے بلکہ اس میں رخنہ ڈالنے والے اور اسے ضعیف اور کمزور کرنے والے ہوں گے ۔

یہ تمام نقائص پیدا ہی تب ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ کے کلام پر یقین نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئے گی، بلکہ ہم نے تو خود کام کرنا ہے، یا خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلنے سے کامیابی نہیں ہوگی، بلکہ کامیابی اس طریق پر چلنے سے ہوگی جو ہم نے سوچا ہے ۔ جس شخص نے جماعتوں کو ساتھ لیکر چلنا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ سُستیوں کو دور کر کے لوگوں کے اندر اخلاص، تقویٰ اور امنگ پیدا کرے لیکن اگر کچھ آدمی ایسے ہوں کہ جتنی امنگیں اور امیدیں اور جوش خلیفہ پیدا کرے اس کا ایک حصہ وہ ضائع کر دیں تو ایسے لوگ بجائے اسلام کی ترقی کا موجب ہونے کے اسکے تنزل کا

موجب ہوں گے۔ ....

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا کی تدبیر کے ماتحت کر دیں۔ مگر وہ مُردہ نہیں ہوتے، اُن کے اندر جوش اور اخلاص ہوتا ہے، وہ قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں، مگر قربانی کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے اِذن ہو اور جس رنگ میں ہو وہ اسی وقت اور اسی رنگ میں قربانی کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی فوقیت اور عظمت کی بڑی علامت فرمانبرداری اور اطاعت کا ایسا نمونہ ہی ہوتا ہے جو دوسری قوموں میں نظر نہیں آتا۔ جو چیز دوسروں کی نگاہ میں ذلت ہو وہ اُن کی نگاہ میں عزت ہوتی ہے اور جو دوسروں کو عزت نظر آئے وہ اسے ذلت سمجھتے ہیں۔ لوگ عزت اس میں سمجھتے ہیں کہ اپنے نفس کا غصہ نکال لیں۔ اور مومن اس میں کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو نفس کا غصہ بے شک نہ نکلے۔ جب کوئی شخص ایسا ہو جائے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے جو اُس کی مدد کرتے ہیں اور یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ تم سوچو تو سہی کیا ہماری اتنی طاقت ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر سکیں۔ ہمیں تو جو کامیابی ہوگی فرشتوں کے ذریعہ سے ہوگی اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مومن اپنے نفسوں پر قابو رکھیں اور دل میں اس کے لئے بالکل تیار رہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی اپنے نفسوں کو قربان کر دیں گے۔ مگر اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھیں اور کوئی بات ایسی نہ کریں جو خلافِ شریعت اور خلافِ آداب ہو۔ شریعت وہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہے اور آداب وہ ہیں جو خلفاء کی زبان سے نکلیں۔ پس ضروری ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو شریعت کا احترام قائم کریں اور دوسری طرف خلفاء کا ادب و احترام قائم کریں اور یہی چیز ہے جو مومنوں کو کامیاب کرتی ہے۔

..... بے شک مَیں نبی نہیں ہوں لیکن مَیں نبوّت کے قدموں پر اور اُس کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہر ہو جاتا ہے، جو میرا جُوا اپنی گردن سے اُتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو اُن کا جُوا اُتارتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے، اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُوا اُتارتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا جُوا اُتارتا ہے۔ مَیں بے شک انسان ہوں مگر مَیں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے ..... یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو دیکھتے ہوئے مَیں انسانوں پر انحصار نہیں کر سکتا اور تم بھی یہ نصرت اس طرح حاصل کر سکتے ہو کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ اور ایسا کرنے میں صرف خلیفہ کی اطاعت کا

ثواب نہیں بلکہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب تمہیں ملے گا۔ اور اگر تم کامل طور پر اطاعت کرو تو مشکلات کے بادل اُڑ جائیں گے، تمہارے دشمن زیر ہو جائیں گے، اور فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت وسطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو۔ جب تم سے مشورہ مانگا جائے مشورہ دو ورنہ چُپ رہو۔ ادب کا مقام یہی ہے لیکن اگر تم مشورہ دینے کے لئے بیتاب ہو تو بغیر پوچھے بھی دیدو مگر عمل وہی کرو جس کی تم کو ہدایت دی جائے۔ ہاں صحیح اطلاعات دینا ہر مومن کا فرض ہے اور اس کے لئے پوچھنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ باقی رہا عمل اس کے بارہ میں تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ خلیفہ کے ہاتھ اور اس کے ہتھیار بن جاؤ، تب ہی برکت حاصل کرسکوگے اور تب ہی کامیابی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی توفیق بخشے۔"

(الفضل ۴؍ ستمبر ۱۹۳۷ء)

نظام سلسلہ کا احترام کرنیوالوں کو علیحدہ کرنا ضروری ہوتا ہے

"جماعت کے معنے یہ ہیں کہ ہم لوگ متفق ہو کر ایک اقرار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نظام سلسلہ کی مضبوطی کے لئے مل کر کوشش کرتے رہیں گے۔ لیکن وہ جو نظام سلسلہ کو توڑتا ہے ہم ہر وقت اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ جب اسے نظام کا احترام نہیں تو ایسے شخص کی جماعت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا جائے...... مَیں ہمیشہ عفو سے کام لیا کرتا ہوں مگر ایسے موقع پر عفو کرنا سلسلہ سے دشمنی کرنا ہوتا ہے۔" (الفضل ۲۴؍ مارچ ۱۹۳۱ء)

نظامِ سلسلہ کے احترام کا ایک اہم تقاضہ!

"مَیں یہ دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں اس بات کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ جس بات کا ایک دفعہ اعلان ہو اُسے اچھی طرح یاد رکھا جائے۔ نظام سلسلہ نظام سلسلہ جس کا ذکر کرتے ہوئے ہماری زبانیں خشک ہوتی ہیں اسی بات کا نام ہے کہ تمام جماعت ایک قانون کی پابند ہو اور وہ ہر حرکت وسکون کو مقررہ نظام کے ماتحت رکھے۔

آوارہ گرد لوگوں اور ایک جماعت میں فرق یہی ہوتا ہے کہ آوارہ گردوں کا کوئی نظام نہیں ہوتا اور ان میں سے ہر شخص اپنی مرضی اور منشاء کے ماتحت کام کرتا ہے مگر جماعت اپنے لئے بعض قوانین مقرر کرکے اُنکے

ماتحت کام کیا کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس بات کی پابند قرار دیتی ہے کہ وہ قائم کردہ نظام سے باہر نہیں نکلے گی۔ اِس اصل کے ماتحت تمام لوگ اتحاد اور یکجہتی سے کام کیا کرتے ہیں۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک بہت سے دوست ایسے ہیں جو نہ تو نظام جماعت کو قائم رکھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی اگر کوئی اعلان ہو تو اُسے یاد رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اعلان سُن کر یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ اعلان ہمارے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہے ...... مَیں دوستوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی اعلان ہوتا ہے تو اس سے تمام لوگ مراد ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بعض لوگوں کا استثناء کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ فلاں فلاں اشخاص مستثنیٰ ہیں۔ اور اگر کسی کو مستثنیٰ نہ کیا جائے تو سب کو اس اعلان کی قدر کرنی چاہیئے اور اپنے نظام کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔" (الفضل ۱۴؍ جنوری ۱۹۳۲ء)

صحابہؓ کا ثبات اور استقلال علی الطاعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی۔ اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے۔ لکھا ہے کہ جب شراب کا حکم نافذ ہُوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی اور کہتے ہیں اِس قدر شراب بہی کہ نالیاں بہہ نکلیں۔ اور پھر کسی سے ایسا فعلِ شنیع سرزد نہ ہُوا اور وہ شراب کے پکے دشمن ہو گئے۔ دیکھو یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری، محبت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی بار پتھراؤ کرنا چاہتی تھی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حواری تو ایسے کمزور اور ضعیف الاعتقاد تھے کہ خود عیسائیوں کو تسلیم کرنا پڑا ہے ...... مگر صحابہؓ ایسے ارادت مند اور جاں نثار تھے کہ خود خدا تعالےٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں جانیں تک دینے میں دریغ نہیں کیا۔" (الحکم ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۲ء)

آنحضرت ؐ کی صحابہ رضؓ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معیار

انہوں نے ہر ایک عزت آپ کی اطاعت میں ہی دیکھی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام فرماتے ہیں :-

(۱) ''صحابہ کرام کے حالات کو دیکھ کر اور سن کر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی نہ عزت اور نہ آبرو - سب دنیوی فخر و ناز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خاک میں ملا دیا - ہر ایک ذلت آپکی نافرمانبرداری میں اور ہر ایک عزت آپکی اطاعت میں ہی دیکھی - بھیڑ بکری کی طرح آپ کے لئے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ذبح ہو گئے - کوئی قوم کوئی مذہب دنیا میں ہے جو سچی قربانی کی مثال صحابہ سے بڑھکر دکھا سکے ؟ جان دے کر اخلاص دکھانا اسی کو کہتے ہیں - ان کے نفس بالکل کدورت دنیا سے پاک ہو چکے تھے - جیسے کوئی گھر سے نکل کر ڈیوڑھی پر کھڑا ہو کر سفر کے لئے تیار ہوتا ہے ویسے ہی وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے واسطے تیار تھے،،

(الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

(۲) ''مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے اور بادشاہی کے دعوے کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گم ہو کر وہ پایا جو صدیوں سے ان کے حصہ میں نہ آیا تھا - وہ قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور ان ہی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے - ان لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے جن کو کفار کہتے تھے - جب تک اسلام اس حالت میں رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا،،

(الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء)

ٹائمنٹل نصرت آرٹ پریس گول بازار ربوہ میں طبع ہوا